بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیقول پارہ 2

تفسیر بیان السبحان

مفسر قرآن علامہ سید عبد الدائم الجلالی

toobaafoundation.com

منیجر وسیم بکڈپو وسیم فائن آرٹ پریس دیوبند یوپی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانُ

کا

پارہ نمبر ۲

سَیَقُولُ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سید عبد الدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط ہر ماہ شائع ہو رہی ہے

ناظرینِ مولوی کے اصرار پر

بصورتِ پارہ

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بک ڈپو دیوبند

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند۔ یوپی

toobaafoundation.com

ضروری اعلان

دین حق کی تبلیغ و اشاعت کیلئے عظیم الشان پروگرام

اظہار تشکر

ہم خدائے برتر و توانا اور اپنے مخلص معاونین کے صمیم قلب سے ممنون و مشکور ہیں اور ساتھ ہی مسرت کے ساتھ اعلان یہ اعلان کر رہے ہے کہ تفسیر بیان السبحان بحمد للہ تکمیل کو پہونچی جو ۴۲ جزوں پر مشتمل ہے۔ اگر مخلص معاونین حضرات اپنا تعاون جاری نہ فرماتے تو اس پریشان کن دور میں شاید ہمارے ارادے حوصلہ شکن ہو جاتے، کاغذ کی گرانی، بحرانی حد تک بڑھ چکی ہے اور اس پر بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا فوراً قدرے ہدیہ میں ۲ اضافہ کرنا پڑا، ۰/6۔ امید ہے کہ ہمارے معاونین حضرات ہماری مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں درگذر فرمائیں گے

چند گذارشات

(۱) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان کا مجلد / روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 115/ روپیہ ہے علاوہ محصولڈاک (۲) مکمل سیٹ تفسیر بیان السبحان غیر مجلد۔ روپیہ جو کہ ۴۲ جزوں میں ہے۔ لیکن یہ قیمت علاوہ محصولڈاک کے ہے چار جلدوں میں مکمل ہوا ہے ایک جزو کا ہدیہ یعنی فی جزو /4 روپیہ ہے۔ لیکن ممبران و تاجران کو اس پر پچاس فیصدی کمیشن کاٹ دیا جائے گا یعنی فی جزو کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ فی پارہ دیا جائیگا۔ لیکن علاوہ محصولڈاک کے یعنی ایک پارہ کی وی پی، جو جاویگی وہ ۔/4 روپے میں بھیجی جاویگی۔ مع محصول ڈاک کے دو پاروں کی وی پی 7/۰ روپیہ تین پاروں کی وی پی ۱۰/۰ روپیہ اور چار پاروں کی وی پی ۔/13 روپیہ اور پانچ پاروں کی وی پی 15/50 میں بھیجی جائیگی۔ یہ غیر مجلد کی قیمت ہے اور مع محصول ڈاک کے ہے۔ اور اب مجلد کی قیمت یعنی پاروں کی وی پی 31/۰ مع محصولڈاک کے بھیجی جائے گی۔ مجلد پانچ پاروں کی وی پی 17/50 کی ہوگی۔ بیس پاروں تک ایک ایک ہی پارہ ہے اور اکیس سے انتیس پاروں تک ہر پارے کے دو جزو ہیں۔ اور تیس پارہ چار جزو ہیں۔ اس لئے ۲۶ تا ۳۰ تک ۱۴ جزو کی جلد بنائی جائے گی۔ آخر کی جلد کا ہدیہ 37/50 روپیہ ہے۔

نوٹ

بحمد للہ فتاوی عالمگیری کے ۲۲ جزو طبع ہو چکے ہیں۔ ان کا ہدیہ بھی حسب بالا ہوگا۔ جو رعایت ممبران و تاجران کو مندرجہ بالا دی گئی ہے وہ پیش کی جائیں گی۔ فی جزو فتاوی عالمگیری کا ۰/6 روپیہ کمیشن کاٹ کر ممبران و تاجران کو پچاس فیصدی کمیشن کاٹ کر 2/50 روپیہ علاوہ محصول ڈاک کے دیا جائیگا۔ وی پی ۰/4 روپیہ مع محصولڈاک کے جاوے گی دو پاروں کی وی پی ۰/7 روپیہ تین کی ۱۰/۰ روپیہ چار جزو کی ۰/13 روپیہ اور پانچ جزو کی ۱۵/۰ غیر مجلد کی قیمت اور مجلد دس پاروں کی ۳۱/۰ روپیہ مع محصول ڈاک کے بھیجی جاویگی۔

toobaafoundation.com

دوسرا پارہ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا

اب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر وہ تھے

قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

تم کہدو کہ پورب اور پچھم خدا ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں خدا تعالیٰ نے یہود و منافقین کی نکتہ چینیاں اور اُن کا جواب ذکر فرمایا تھا۔ اعدائے اسلام کا ایک زبردست اعتراض یہ بھی تھا کہ تحویلِ قبلہ کیوں ہوئی پہلے ایک قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنی اور پھر اُس سے روگردانی جہالت ہے۔ خدا تعالیٰ اسی اعتراض کو بطور اخبار بالغیب کے ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔

تحویلِ قبلہ کا مختصر بیان :- ابن عباس رضی اور دیگر جمہور مفسرین کا قول ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں ہجرت سے قبل تشریف فرما تھے تو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی جہت میں نماز کو کھڑے ہوتے کہ سامنے کے رُخ پر بیت کعبہ آجائے۔ پھر مدینہ پھر بیت المقدس۔ جس کی وضاحت اس نقشہ سے ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کو دھوکا ہوا اور انھوں نے یہ روایت کی کہ حضور

مکہ میں بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے اور تحویلِ قبلہ دوبارہ ہوئی ہے لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مکہ میں بھی قبلہ ابراہیمی تھی ہاں بیت المقدس بھی جہت کے سامنے واقع تھا لیکن اس سے بیت المقدس کا قبلہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل جب حضور ہجرت کے بعد مدینہ میں تشریف لائے تو باختلاف رواۃ ۹ یا ۱۰ یا ۱۶ یا ۱۷ مہینے قبلہ یہود یعنی بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کی۔ پھر دوسرے سال ماہ رجب کی ۱۵ تاریخ کو پیر کے دن نماز ظہر میں بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف رُخ پھیر لینے کا حکم دیا گیا اور حضور مع جماعت صحابہ کے نماز کے اندر ہی حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے قبلہ ابراہیمی کی طرف رُخ پھیر لیا اور کعبہ کی طرف منہ پھیر کر بقیہ نماز پوری کی۔ اس تحویل پر یہود اور منافقین و مشرکین طعن کرنے لگے۔ یہود کہنے لگے کہ خدا اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے۔ کیا اس کو پہلے سے مصلحت کا علم نہیں۔ مزید برآں اُن کو یہ بھی ناگوار ہوا کہ باوجود اتباع سلسلۂ انبیاء کے یہ نبی عربی کعبۂ انبیاء کو چھوڑ کر جاہلوں کے کعبہ کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں ہے جس کی توریت میں خبر دی گئی تھی اور منافقین کے نزدیک تو کوئی جہت قابلِ ترجیح ہی نہ تھی۔ ان کے نزدیک یہ فعل ہی لغو اور بے سود تھا۔ رہے مشرکین تو وہ عجب مخمصہ میں تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ محمد تو دین کے بارے میں خود ہی متحیر ہیں۔ کبھی یہود کے قبلہ کو اچھا سمجھ کر اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور کبھی اس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ ان اعتراضات کی خبر بطور پیشین گوئی کے مذکورہ آیات میں ظاہر کی گئی ہے

toobaafoundation.com

آیت کا مطلب یہ ہے کہ "عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے"۔ ابن کثیر کے نزدیک بیوقوفوں سے مشرکین عرب مراد ہیں (الزجاج) مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے پڑھے لکھے یہودی مراد ہیں۔ سدی کے قول کے بموجب منافق مراد ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت ابن عباس بیان کیا ہے کہ سفہاء سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ سفہاء سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ سب کے حق میں آیت کا حکم قائم ہے۔ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا۔ یعنی عنقریب بیوقوف لوگ کہیں گے مسلمان لوگ بیت المقدس سے کیوں پھر گئے۔ مطلب یہ کہ بیوقوف لوگ رازِ الٰہی سے واقف نہیں، نہ خاصانِ خدا پران کا اعتقاد ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر یہ لوگ اعتراض کریں گے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ تم اُن سے کہہ دو کہ مشرق و مغرب جنوب و شمال سب جہتیں اُسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ وہی ان سب کا بغیر کسی خصوصیت کے مالک ہے۔ اس کی ذاتی خصوصیت کسی خاص مقام سے نہیں ہر جگہ اور ہر سمت اس کے لیے یکساں ہے۔ ہر مقام پر اس کی جلوہ پاشی اور ضیا فگنی ہے۔ ہاں کسی مصلحت، وراز کی وجہ سے کسی ایک جہت کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص فرما دیتا ہے اور یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ جس شخص کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے اور سیدھا راستہ بتاتا ہے بلکہ مقصود تک پہنچا دیتا ہے انہی میں سے صحابہ ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

(اے اُمتِ محمدیہ) اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم اور لوگوں کے مقابلہ میں (بروزِ قیامت) گواہ بنو

وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ

اور تمہارے رسول تمہاری صداقت کے گواہ بنیں

تفسیر وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اے مسلمانو! جس طرح ہم نے تم کو راہ راست کی ہدایت کی اور تمہارے قبلہ کو افضل بنایا اسی طرح تم کو تمام اُمتوں میں افضل اور عادل بنایا (سیوطی)، لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ۔ اس آیت کے مفسرین نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ (۱) ہم نے تم کو افضل و عادل اس لیے بنایا تاکہ ہر امر خیر میں تم لوگوں کے ہادی اور رہبر بنو۔ جس بات کو تم اچھا یا بُرا کہو اس میں تم خدا تعالیٰ کی طرف سے گواہ مانے جاؤ اور رسول تمہارا ہادی اور رہبر بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی کے قلب پر القا کرے۔ تم خود اس کی تعمیل کرو اور دوسروں کو اس کی تعلیم دو (۲) اکثر مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے تم کو تمام امتوں سے افضل و بہتر اس لیے بنایا تاکہ تم لوگوں میں قیامت کے دن گواہ ہو اور رسول تمہارے گواہ ہوں۔ امام احمد نے بروایت ابو سعید خدری بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوحؑ کو بلا کر دریافت کیا جائے گا۔ کیا تم نے احکامِ الٰہی کی تبلیغ کر دی تھی؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے جی ہاں۔ پھر حضرت نوحؑ کی امت کو بلایا جائے گا اور دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم کو احکامِ الٰہی پہنچا دیئے گئے تھے؟ اُمتِ نوح کہے گی ہمارے پاس تو کوئی عذاب الٰہی سے ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اس وقت حضرت نوحؑ سے خطاب ہوگا کہ تمہاری گواہی کون دے سکتا ہے؟ حضرت نوحؑ عرض کریں گے محمدؐ اور ان کی امت۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرما کر آیت

toobaafoundation.com

مذکورہ تلاوت کی اور فرمایا اس آیت کا یہی مطلب ہے۔ تم لوگ حضرت نوحؑ کے گواہ ہوگے اور میں تمہارا گواہ ہوں گا (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) حضرت جابر بن عبداللہؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں اور میری امت اعمالِ خلق پر مطلع ہوگی اور ہر شخص ہمارے پاس آئے گا اور جس پیغمبر کی امت نے اس کی تکذیب کی ہوگی، اس کے واسطے ہم ہی گواہی دیں گے کہ اس نے اپنے پروردگار کا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا (ابن کثیر)

حاصل روایات یہ ہے کہ قیامت کے دن سب اگلے پچھلے لوگ میدان میں جمع ہوں گے تو ہر امت کے کافر طبقہ سے کہا جائے گا کیا تم کو کسی نے احکام الٰہی کی تبلیغ نہیں کی تھی؟ تو سب کہیں گے مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ۔ پھر ان منکرین انبیاء سے مطالبہ کیا جائے گا اور بطور اتمام حجت حکم ہوگا کہ اپنے گواہ لاؤ۔ تمام انبیاء امتِ محمدی کو گواہی میں پیش کریں گے۔ کافر کہیں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے بعد آئے تھے ان کو ہماری حالت کا کس طرح علم ہو سکتا ہے یہ غلط کہتے ہیں۔ اُمتِ محمدیہ عرض کرے گی کہ ہم کو اس کا علم خدا کی کتاب یعنی قرآن سے ہوا ہے اس کے بعد رسول پاک سے امت کی حالت و دیانت کی جائے گی تو حضورؐ اپنی امت کی عدالت اور صدق کی گواہی دیں گے۔

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ رؤسائے یہود نے حضرت معاذؓ سے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس سارے انبیاء کا قبلہ ہے تم خود بھی خوب جانتے ہیں کہ ہم تمام انسانوں میں برتر اور ہر امت سے افضل ہیں لیکن اب انھوں نے ہمارے مقدس قبلہ کو حسد اور بغض کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ معاذ بن جبل نے فرمایا۔ تم کو بزرگی کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے، اُمتِ محمدیہ تمام امتوں سے افضل ہے۔ اس کی تصدیق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی ہے۔

مقصودِ بیان

تمام انبیاء بھائی بھائی ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کا مؤید و مصلح ہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم کو حضرت ابراہیمؑ سے ایک اصلی اور دوامی خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے اس کے برخلاف عمل کرنے کو حماقت سے تعبیر کیا۔ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی جہت مکان اور جگہ مخصوص نہیں۔ لیکن بعض مقامات خصوصیت کے ساتھ مظاہر پرتو اور جلوہ گاہِ قدرت ہیں اور ان کا علم صرف ہدایت الٰہی سے ہوتا ہے۔ تمام عادل آمر بالخیر اور نہی عن المنکر تھے۔ ان سب کی ہدایات اور تعلیم واجب العمل ہے۔ ان کی تعلیم و تبلیغ رسول اللہ صلعم کی ہدایت و ارشاد کا پرتو اور ظل ہے۔ اجماع صحابہ حجتِ قطعی ہے کیونکہ جس امر پر تمام صحابہ کا اتفاق ہو جائے اگر وہ امر باطل اور خلافِ حق ہو تو عدالت صحابہ میں رخنہ لازم آئے گا اور چونکہ صحابہ کا عادل ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا جس بات پر صحابہ کا اجماع ہو جائے۔ وہ بھی یقینی اور قطعی العمل ہے۔ آیت میں اس امر کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے اور گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کے لیے ثقہ لوگوں کی تصدیق ہونی چاہیئے۔ ایک پوشیدہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قاضی کو بغیر شہادت کے محض اپنے علم پر فیصلہ نہ کرنا چاہیئے۔ مدعی پر لازم ہے کہ ثبوت دعویٰ کے لیے گواہ پیش کرے۔ قاضی کسی گواہ کے بیان پر جرح نہیں کر سکتا۔ مدعا علیہ کو جرح کا حق ہے۔ گواہ کو شہادت کے لیے معائنہ یا تفصیل معائنہ ضروری نہیں بلکہ اگر اس کو یقینی خبر معلوم ہو خواہ اس کا معائنہ نہ ہو تب بھی گواہی دے سکتا ہے۔ احکامِ الٰہی میں قوتِ واہمہ کو دخل دینا اور چون و چرا کرنا بے وقوفوں یعنی غیر مسلموں کا کام ہے اور جن کو نورِ فطرت سے کچھ روشنی حاصل ہے وہ چون و چرا نہیں کرتے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن

(اے محمد) جس قبلہ پر آپ قائم تھے اس کو قبلہ بنانے سے ہماری صرف یہ غرض تھی کہ رسول کی پیروی کرنے والے اور ایڑیوں کے

يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ

بل لوٹ جانے والے نمایاں ہو جائیں یہ بات اگرچہ شاق گزری مگر ان لوگوں پر شاق نہیں گزری جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے

تفسیر

یہ آیت یَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ کا تتمہ اور تفسیر ہے اور تحویل قبلہ کے ایک مخفی راز کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چند روز بیت المقدس (قبلہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا سر یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہو جائے۔ کیونکہ جو لوگ صادق الیقین اور سچے جاں نثار ہیں اور دل سے رسول اللہ صلعم پر ایمان لاتے ہیں وہ بلا خوف و تردد حضور کے حکم کو قبول کر لیتے ہیں۔ خواہ اُن کے رسم خاندانی اور حمیت قومی کے خلاف ہی ہو اور جو لوگ رواج خاندان اور تقلید آباء اور تعصب ملی و قومی میں گرفتار ہیں وہ نکتہ چینیاں کرتے اور راہ راست سے کجروی اختیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنے اور پھر اُس کو چھوڑ کر اصلی قبلہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے سے مقصود یہ ہے کہ ہم کو دونوں فرقوں میں امتیاز ہو جائے (سیوطی) یعنی ایسا علم ہو جائے جس پر ثواب یا عذاب دیا جا سکے۔ کیونکہ ویسے تو خدا تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کے اعتبار سے ہر چیز کا علم ہے لیکن اس پر ثواب عذاب مترتب نہیں بلکہ ثواب عذاب اس علم ظہوری پر مترتب ہے جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً یعنی اپنے شعائر مذہبی، رواج ملی اور رسم قومی کو چھوڑنا اگرچہ بہت بھاری بات ہے۔ یہ امر بہت دشوار ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے رسم و رواج اور مسلمات مذہبی کو ترک کر دیا جائے۔ لیکن إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے راہ راست بتا دی یا مقصود اصلی میں کامیاب کرنا چاہا اور جہالت کے پردے ان کے دلوں سے دور کر دیئے اُن کے لیے یہ کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ اطاعت رسول کو اپنے ملکی اور ملی رواجوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ ذیل روایت تحریر کی ہے۔ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا رات (یعنی کل زوال کے بعد) حضور اقدسؐ پر قرآن کی ایک آیت نازل ہوئی ہے جس میں حضور کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیے۔ ترمذی اور مسلم کی روایت میں ہے کہ مسجد قبا والے صحابہ رکوع میں تھے اور اسی ہیئت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

مقصود بیان

جو لوگ ازلی شقی ہیں نور فطرت سے اُن کے دل محروم ہیں اُن کو احکام شریعت میں تردد شک اور گرانی رہتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو توفیق الٰہی سے روشنی ایمان حاصل ہے اور دلوں پر جہالت و گمراہی کے پردے نہیں پڑے ہیں وہ احکام شریعت کی تعمیل میں کوئی دشواری اور ثقل محسوس نہیں کرتے۔ ہر رسم و رواج کو مرضی الٰہی پر قربان کر دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رسول اللہ صلعم کے اتباع اور فرمانبرداری میں نہایت ثابت قدم اور راسخ العقیدہ تھے۔ حضور صلعم کا ہر فعل اُن کے لیے واجب تقلید تھا اور وہ حضور کے ہر قول و فعل پر بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

toobaafoundation.com

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور اللہ تمہارا ایمان اکارت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اللہ لوگوں پر یقیناً شفیق و مہربان ہے

تفسیر

حیی بن اخطب اور دیگر یہود نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شک ڈالنے کے لیے دریافت کیا کہ تم لوگ جو نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے ہو وہ ہدایت پر مبنی تھی یا گمراہی تھی۔ اول الذکر صورت میں تو تم نے اس کو ترک کر دیا اور اب گمراہی میں مبتلا ہو گئے اور مؤخر الذکر تقدیر پر تم نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا اور تم میں سے جو مسلمان اس زمانہ میں مرا ہے جبکہ تم لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو وہ گمراہی پر مرا۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ درحقیقت ہدایت و گمراہی کا معیار حکم خدا کی تعمیل اور عدم تعمیل ہے۔ ہدایت وہی ہے جس کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا اور گمراہی وہ جس کی خدا نے ممانعت فرمائی۔ یہ خاموش ہو کر جواب سن کر شیطان کہنے لگے کہ اچھا تمہارے پاس اُن لوگوں کی نجات و ہدایت کے متعلق کیا ثبوت موجود ہے جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ ہی میں مر گئے ہیں (یعنی اسعد بن زرارہ، ابو امامہ، براء بن عازب) یہ اعتراض سن کر مذکورہ شہداء کے رشتہ دار اور اہلِ قرابت حضورِ اقدس صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ حضور کو خدا تعالیٰ نے قبلۂ ابراہیمی کی طرف پھر جانے کا حکم دیا۔ لیکن ہمارے اُن بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور اُسی زمانہ میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جو پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھ چکے ہو اور رسول اللہ کے حکم کا تم نے اتباع کیا ہے۔ ثانی قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے خدا تعالیٰ اس پہلی عبادت کو ضائع اور برباد نہیں فرمائے گا بلکہ اس کا پورا پورا ثواب عطا فرمائے گا۔ خدا نے ہی تم کو یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ تم نافرمانی اور سرکشی سے باز رہے۔ خصوصاً تحویل قبلہ میں نکتہ چینیاں کر کے تم نے ایمان کو زائل نہیں کیا۔ یہ تم پر فضلِ الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ خدا تعالیٰ تم پر بڑا مہربان و شفیق ہے کہ تم کو ایمان خالص اور اتباعِ کامل کی توفیق عطا فرمائی اور تم تحویل قبلہ پر کوئی خوردہ گیری نہ کر سکے۔

مقصود بیان

خدا تعالیٰ ظالم نہیں۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ تعمیلِ احکام اور فرمانبرداری کرنے والے مستحقِ ثواب ہیں۔ ایمان کا جزءِ اعظم نماز ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی رحمت و شفقت سے انسان کی بہتری اور سعادت و فلاح چاہتا ہے۔ لیکن انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کے اسباب تیار کرتا ہے۔ وغیرہ

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىھَا ۠ فَوَلِّ

تمہارا آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھنا ہم دیکھ رہے ہیں لہٰذا جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اُسی کی طرف اپنا رُخ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

پھیر لیا کرو اور (مسلمانو!) تم جہاں کہیں ہو اُسی کی طرف اپنا رُخ کر لیا کرو۔

toobaafoundation.com

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور اہل کتاب بلاشبہ خوب واقف ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ) اُن کے پروردگار کی طرف سے یقیناً

رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

برحق ہے اور اللہ اُن کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر

اکثر مفسرین قائل ہیں کہ یہ آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے لیکن معنی میں مقدم ہے، کیونکہ یہی شروع قصہ ہے۔ **واقعۂ نزول** یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا انتہائی شوق تھا اور حضور والا وحی کے انتظار میں بار بار مُنھ کو آسمان کی طرف اُٹھاتے تھے۔ گویا قلب مبارک میں یہ توقع اور اُمید تھی کہ خدا تعالیٰ مجھ کو کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیدے گا اور حضور کا یہ شوق علاوہ مصالح تبلیغی کے اس امر پر بھی مبنی تھا کہ کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے سب سے پرانا قبلہ ہے اور حضور والا کو اس کی طرف انتہائی رغبت تھی۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ لیکن تفسیر ابن کثیر میں شانِ نزول کو دوسرے الفاظ میں قدرے تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ہجرت کے بعد جب مدینہ تشریف لائے اور مدینہ کے باشندے اکثر یہود تھے تو خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھیں۔ یہودی اس سے بہت خوش ہوئے اور حضورؐ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منھ کرکے نماز پڑھی لیکن حضورؐ کی دل سے خواہش یہی تھی کہ میرا قبلہ وہی ہو جو قبلہ ابراہیمی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے اور اسمان کی طرف انتظارِ وحی میں بار بار نظر اُٹھاتے تھے اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ یعنی ہم آپ کے اظہارِ رغبت کو جانتے تھے جو ترقی مراتب کی وجہ سے بیت الحرام کو قبلہ بنانے کے متعلق تھی۔ اگرچہ ادب و تہذیب سے صراحۃً اس کا سوال نہ تھا۔ لہٰذا ہم تم کو اس قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دئے دیتے ہیں جس کی طرف تم کو رغبت ہے۔ اب تم مسجدِ حرام یعنی اس مسجد کی طرف اپنا رُخ پھیر لو جہاں قتل و گناہ اور قصاص و خونریزی حرام ہے اور جو خدا کے نزدیک نہایت محترم و معظم ہے۔ اس سے آگے عام امت کو حکم دیا جاتا ہے وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ یعنی کچھ مکہ اور نواحِ مکہ کی ہی خصوصیت نہیں ہے بلکہ تم جس جگہ اور جہاں کہیں ہو اور فرض نماز پڑھنی چاہو تو کعبہ کی طرف منھ کر لیا کرو۔ اس سے آگے یہودیوں کو متنبہ کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ یعنی تحویلِ قبلہ کے متعلق یہودی جو کچھ اعتراض کرتے ہیں یہ اُن کی محض حق پوشی اور باطل کوشی ہے۔ کیونکہ روایاتِ نسلی کی بنا پر یہود خوب واقف تھے کہ قبلۂ ابراہیمی افضل اور برحق ہے اور قبلۂ ابراہیمی کی طرف نماز پڑھنی اور بیت المقدس کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہونا ان کی کتابوں میں موجود ہے اور بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہونا بھی اُن کے علم میں ہے۔ بغرضِ بغض و عناد سے تحویل پر اعتراض کرنا ان کی حق پوشی کو ظاہر کرتا ہے۔

سدی کے نزدیک اہلِ کتاب سے یہودی مراد ہیں اور کتاب سے تورات۔ لیکن دوسرے علماء نے اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں فرقے مراد لیے ہیں اور کتاب بھی تورات و انجیل دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ دونوں کی کتابوں میں قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت، بیت المقدس کا نسخ اور رسول اللہ کے جامع القبلتین ہونے کا بیان موجود ہے اور معترض بھی دونوں فرقے ہی تھے۔ اس سے آگے یہودیوں کو زجر کی جاتی ہے۔

toobaafoundation.com

وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ یعنی خدا ان کی مکاری اور دھوکہ بازی سے غافل نہیں۔ اس کو ان فتنہ انگیزیوں کا بخوبی علم ہے۔ ضرور اُن کو اس کا بدلا دے گا۔

مقصودِ بیان

آیت قَدْ نَرٰی میں رسولِ گرامی کے ادبِ نفس اور تہذیبِ قلبی کی طرف ایک خاص اشارہ ہے کہ حضورؐ والا اپنی زبان سے اپنی خواہش کا اظہار نہیں فرماتے تھے اور کمالِ ادب کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں تحویلِ قبلہ کی درخواست نہیں کرتے تھے بلکہ امیدوارانہ اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ مزید براں آیت سے حضورؐ کی عظمتِ شان اور علوِ مرتبہ کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے کہ آپ کی خواہش مرضیِ الٰہی کے مطابق واقع ہوئی اور قلبِ مبارک میں وہی بات پیدا ہوئی جو ارادۂ الٰہی میں تھی اور مصالحِ اسلامی جس کے اندر مضمر تھے۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہتِ کعبہ کی طرف رُخ کرنا کافی ہے۔ جس شخص کی نظر کے سامنے کعبہ موجود نہ ہو اس کے لیے بالکل سیدھ اور محاذات بخطِ مستقیم ضرور نہیں بلکہ کعبہ کی سمت نماز پڑھتے وقت منہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن سفر کے دوران میں سواری پر نفلیں پڑھنی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ گزشتہ انبیاء کی کتابوں میں رسول اللہ صلعم اور آپ کی اُمت کے اوصاف اخلاق قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت اور حضور صلعم کی جامع القبلتین ہونا مذکور تھا۔ لیکن یہود محض عناد و حسد اور تعصبِ ملّی کی بنا پر تحویلِ قبلہ پر معترض تھے۔ خدا سے افعالِ عباد مخفی نہیں اور نہ وہ انسانوں کے حرکات سے ناواقف ہے۔ وغیرہ

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا

(اے محمدؐ) اگر تم اہلِ کتاب کے سامنے ساری دلیلیں پیش کر دو گے تب بھی وہ تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے اور تم

أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

بھی ان کے قبلہ کو ماننے والے نہیں اور اُن میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور اگر اس علم کے بعد

أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ

جو انہیں پہنچا ہے تم ان کی خواہشوں پر چلے تو ایسی حالت میں تم بھی بلاشبہ ظالموں

الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ

وقف لازم

میں سے ہو گئے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو

أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

پہچانتے ہیں مگر اُن میں سے کچھ لوگ دانستہ حق کو چھپاتے ہیں۔

toobaafoundation.com

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ع

حق بات وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔

تفسیر حضور اقدس صلعم کو مخالفین کے حق پر آنے کی انتہائی آرزو تھی کہ یہ کسی طرح گمراہی سے نکل کر ہدایت پر آجائیں خواہ معجزات کو دیکھ کر ہی ہو۔ لیکن چونکہ اہلِ کتاب شقیِ ازلی تھے اور اس شقاوتِ باطنی کی وجہ سے وہ حدِ انکار سے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلعم کو اغوا کرنے اور بیت المقدس کی طرف حضورؐ کو دوبارہ پھیرنے کے لیے طرح طرح کی دماغ آرائی اور دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ اگر ہمارے قبلہ کی طرف آپ نماز پڑھتے رہتے تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کے دین کو سچا سمجھتے۔ لیکن اب تو ہم آپ پر ایمان نہیں لا سکتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے کہ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ اگر بالفرض آپ اُن کو ہر قسم کے معجزات دکھا دیں گے اور تحویلِ قبلہ کی ہر دلیل و حجت اُن کے سامنے پیش کر دیں گے تب بھی یہ آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ کے قبلہ کو مانیں گے۔ یعنی صدقِ نبوت اور قبلۂ ابراہیمی کی فضیلت کو جانتے ہوئے یہ لوگ صرف تعصبِ ملی اور رسمِ قومی سے کعبہ کے منکر ہیں۔ اُن کے سامنے کتنے ہی دلائل و براہین بیان کیے جائیں لیکن وہ ہرگز نہیں مانیں گے وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور نہ آپ اُن کے قبلہ کو مان سکتے ہیں۔ یعنی آپ کو بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہ کرنا چاہیئے۔

بعض مفسرین نے ان آیات کا اور مطلب بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ اُن کے سامنے تمام معجزات و دلائل ظاہر کر دیں گے تب بھی یہ آپ کے قول و فعل اور مرضی کو نہیں مانیں گے۔ نہ توحید و شرک آمیز سے باز آئیں گے۔ نہ اقرارِ نبوت و تصدیقِ رسالت اور اتباعِ احکامِ الٰہی کریں گے۔ لہٰذا آپ بھی ان کے دعا کی کچھ پرواہ نہ کیجئے اور نہ ان کو ہدایت کرنے کی آرزو کیجئے کیونکہ ان کو آپ سے ہی تعصب نہیں کہ آپ کے قبلہ ہی سے کورانہ انکار کرتے ہوں بلکہ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ان کی ضد و کد اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا نہ دوسرے کے مذہب و ملت کی تصدیق کرتا ہے۔ یہود نصاریٰ کی تکفیر کرتے ہیں اور عیسائی یہود کو کافر جانتے ہیں۔ یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بیت اللحم یعنی جائے پیدائش مسیح یروشلم کے شرقی جانب ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یہ گذشتہ ممانعت کی تاکید ہے۔ یعنی آپ کو ہرگز ان کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن بالفرض اگر آپ اُن کی خواہشات و ہوا پرستیوں کے تابع ہوں گے تو ظلم کریں گے اور خود اپنا نقصان کریں گے۔ یہ خطاب اگرچہ بظاہر رسول اللہ صلعم کو ہے۔ لیکن چونکہ رسول اللہ معصوم اور ہر گناہ سے محفوظ تھے۔ اس لیے باحسن اسلوب افرادِ امت کو غیر مسلموں کی متابعت اور ان کی ہوا پرستیوں کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضؓ کو جو پہلے یہودی عالم تھے اور پھر مسلمان ہو چکے تھے یہ آیت سنائی تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضؓ نے جواب دیا۔ بیشک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی تعریف توریت میں موجود ہے۔ بلکہ مجھ کو اپنے بیٹے کے بیٹے ہونے میں شک ممکن ہے کیونکہ عورتوں کا واقعی حال خدا جانے۔ کیا معلوم کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اُن سے کیا حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے رسول ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ خدا کی بتائی ہوئی علامات سب کی سب حضورؐ میں موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بصیرت کوش اور حق پرست اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہی وہ رسول اللہ ہیں جن کا حال گذشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے (زمخشری، بیضاوی، بغوی) یا حق پرست اہلِ کتاب محمد صلعم کی

toobaafoundation.com

حقانیت نبوت کو پہچانتے ہیں (مجاہد و قتادہ) مطلب یہ ہے کہ حق پرست اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلعم لائے ہیں وہ حق ہے اور خدا کی طرف سے ہے (ابن کثیر) حاصل یہ ہے کہ صحیح عقل والے اہلِ کتاب رسول اللہ کی ذات یا نبوت یا حقانیتِ اسلام پر بالکل اسی طرح بدیہی یقین رکھتے ہیں جیسا اپنی اولاد کے اولاد ہونے کو جانتے ہیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن انہی میں سے علماء کا ایک گروہ تو عمداً جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ ان کو کتب الہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی عربی کے یہ صفات ہوں گے لیکن وہ دانستہ کتمانِ حق کرتے ہیں۔ مگر ان کی اس حق پوشی سے کیا ہوتا ہے کیونکہ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ کیونکہ حق تو وہی ہے جس کو خدا ظاہر کرتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا تم کو قطعاً حقانیت میں شک نہ کرنا چاہیئے اور نہ شکی دماغ رکھنے والوں کی تقلید کرنی چاہیئے (یہ تعلیم درحقیقت اُمتِ محمدیہ کو ہے)۔

کُل آیات کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انصاف پسند اور حق پرست اہلِ کتاب تو تم کو کچھ الزام دیں گے نہیں۔ کیونکہ اول تمہارا کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا پھر چند مہینے بیت المقدس کا قبلہ ہونا پھر بدستور کعبہ کا قبلہ ہو جانا سب کچھ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تحریر کے موافق ہے۔ ہاں ظالم ضدی اور سرکش کافر جن کو حق و ناحق سے کچھ سروکار نہیں خواہ مخواہ الزام دینے سے کام ہے وہ تو کسی صورت میں اب بھی الزام دینے سے نہ چوکیں گے۔ لیکن ان کا عدم وجود عند اللہ برابر ہے۔ ان کی کسی لغویات کا اعتبار کرنا ہی ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اُن کے کسی قول کو باعثِ شک انگیزی نہ خیال کرنا چاہیئے۔

مقصودِ بیان جو لوگ فطری اور جبلّی گمراہی میں گرفتار ہیں وہ کسی طرح راہِ روشن پر نہیں آسکتے خواہ ان کو تمام معجزات و دلائلِ واضحہ دکھا دیئے جائیں۔ ان کی سرشت میں ہوا پرستی خواہشات کی غلامی اور بندگیٔ شہوت ہے۔ نہ ان کا کوئی منصوص قبلہ ہے نہ خوشنودیٔ خدا مطلوب ہے بلکہ اتباعِ نفس اصلی غرض ہے اسی لیے انھوں نے الگ الگ قبلے مقرر کر رکھے ہیں۔ کسی مسلمان کو معاملہ دین اور اصلاح عقائد و اعمال میں کسی غیر مسلم کی کورانہ اتباع نہ کرنا چاہیئے۔ تمام غیر مسلم صرف توہمات میں مبتلا ہیں اور ان کے قول و فعل کی بنا ء خیال آرائی اور الفاظ تراشی پر ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم وحیِ حق اور الہامِ صادق پر مبنی ہے۔ جو لوگ سعید روحیں رکھتے ہیں اور اُن کے حواس و مشاعر چراغِ فطرت سے روشن ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن آفتابِ اسلام کی روشنی سے ضرور ضیا اندوز ہوتے ہیں اور جو انسان کوردِ باطن لونا تاریک حواس والے ہیں اور صحیح وجدانیات نہیں رکھتے ان کو علمِ حقیقت کی روشنی سے بھی کوئی حاصل نہیں۔ اندھے کو باوجود علم آفتاب کے سورج کی روشنی سے کیا فائدہ۔ کسی مسلمان کو شریعت کے کسی حکم میں شک و تردد نہ کرنا چاہیئے۔ شک و تردد موجب کفر ہے۔ وغیرہ

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ

ہر ایک کا ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ منھ کرتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو تم جہاں کہیں ہوگے اللہ تعالیٰ تم کو ایک

اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

جگہ جمع کر لے گا بلاشبہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے۔

toobaafoundation.com

تفسیر

گذشتہ آیات میں اتباعِ اہلِ کتاب سے ممانعت کی گئی تھی۔ اس آیت میں اس کی تائید ہے اور یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جب امرِ حق دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہو جائے تو پھر اس میں کسی کی مخالفت یا موافقت کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کوئی انسان تمام اولادِ آدم کو کسی دنیوی امر میں بھی متفق الرائے اور متحد الخیال نہیں کر سکتا۔ پھر دینی امور میں کس طرح سب ایک نقطہ پر جمع ہو سکتے ہیں۔ ہر شخص کا عقیدہ میلِ قلبی اور رجحانِ خاطر جداگانہ ہوتا ہے۔ لہٰذا متفق الرائے کرنے کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور دوسروں کی استمالت و خوشنودیٔ مزاج کے لیے عقیدہ صحیحہ اور اعمالِ حقہ کی قربانی نہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ ہر شخص اور ہر قوم کا رُخ علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ہے۔ تم سب کو متحد الخیال بنانے کی کوشش فضول نہ کرو بلکہ جو نیک باتیں مقصودِ اصلی ہیں اُن کے اختیار و حصول کی کوشش کرو۔ استقبالِ کعبہ میں اگر یہ لوگ مخالف ہیں تو ہونے دو۔ کیونکہ استقبالِ کعبہ مقصود بالذات نہیں بلکہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے جانچنے کا معیار ہے لیکن سب کا مقصود اس سے یہی ہے کہ حکم کی فرمانبرداری کی جائے لہٰذا اس میں جھگڑا اور مخالفت مناسب نہیں اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رسول ہیں اور آپ کی دعوت تمام مخلوق کے لیے عام ہے اس لیے جو قبلہ آپ کا ہے وہی تمام عالم کا قبلہ ہونا چاہیئے اور وہی فرمان پذیری اور عصیان کیشی کی کسوٹی ہے۔ اس قبلہ سے انحراف بیکار ہے۔ قبلہ مقصود ہی نہیں ہے بلکہ اصل مدعا تو مرضیاتِ الٰہی اور طاعات ہیں۔ لہٰذا اس میں تردد و شک بیجا ہے بلکہ نیکیاں جہاں پاؤ کماؤ۔

ابن عباس رضؓ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ہر مذہب و ملت والے کا ایک قبلہ ہے جس کی جانب وہ اپنا رُخ کرتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قبلہ وہی ہے جس طرف مسلمان متوجہ ہیں۔

ابو العالیہ نے یہ معنی بیان کئے کہ یہود کے لیے ایک جدا قبلہ ہے اور نصرانیوں کا علیحدہ قبلہ ہے لیکن اے امتِ محمدی خدا نے تم کو ایک خاص قبلہ کی ہدایت کی ہے اور وہی حقیقی قبلہ ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی وغیرہ نے بھی اسی مطلب کی تائید کی ہے۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا۔ یعنی یہ اختلافِ جہات اور باہمی تفرقہ تو اسی عالم میں ہے۔ ورنہ آخرت میں تو سب کو ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع کر کے لے آئے گا۔ تم مجتمع الاجزاء رہو یا متفرق الاجزاء آسمانی فضا میں تمہارے ذرات پھیلے ہوئے ہوں یا زمین کی تہہ میں منتشر ہوں، پہاڑ کی چوٹی پر ہوں یا قعرِ سمندر کے اندر بہرحال خدا تعالیٰ تم کو حشر میں اکٹھا کرے گا اس وقت سب کا قبلہ ایک ہی ہوگا۔ یعنی ذاتِ خداوندی ہی سب کا قبلۂ اُمید اور مرجعِ اعمال ہوگی اور یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ جب ذراتِ مادی قعرِ سمندر اور فضائے آسمانی میں منتشر ہو جائیں گے اور ان کی صورتِ نوعیہ بالکل تبدیل ہو جائے گی تو پھر خدا تعالیٰ اُن کو کس طرح جمع کر سکتا ہے۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ خدا بلاشک و شبہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ کوئی چیز اس کے دائرۂ قدرت سے خارج نہیں لہٰذا اس کی توحید و الوہیت پر قائم رہو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔

مقصودِ بیان

امرِ حق کے ثبوت و وضاحت کے بعد کسی کی مخالفت کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ ہر ایک قوم بلکہ ہر مذہب و ملت والے کا قبلہ جداگانہ ہے لیکن قبلہ درحقیقت قبلہ نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ اصلی مقصود نیکی کا حصول اور بدی سے اجتناب ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ بعثِ جسمانی حشرِ اجساد اجتماع فی المحشر حساب کتاب، سزا و جزا برحق ہے۔ وغیرہ

چند اسرار

آیات مذکورۂ بالا کا جو اصلی مدعا تھا وہ تو ہم سطورِ بالا میں تحریر کر چکے۔ ذیل میں آیاتِ محولہ کا چند اسرار لکھتے ہیں جن کو نورِ عرفان رکھنے والے انسان اگر مقصودِ بیان سے تعبیر کریں تو بے جا نہ ہوگا۔

toobaafoundation.com

ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص جہت ہے یعنی ہر روح کے واسطے وجودِ ذات اور حقیقتِ صفات کی طرف جدا جدا راستے اور طریقے ہیں اور ہر روح کا علیحدہ علیحدہ قبلہ ہے۔ ارواحِ قدسیہ کی توجہ عین العیان یعنی خالص ذات کی طرف رہتی ہے اور ارواحِ جلالیہ کا قبلہ خالص صفات ہیں اور ارواح وغیرہ کا رُخ عین القدم کی طرف ہوتا ہے اور ارواحِ بقائیہ یعنی وہ ارواح جو خود فنا ہو کر بقائے قدم سے باقی ہیں۔ ان کا مرکزِ توجہ عین الابد ہے اور ارواحِ شائقہ انوارِ مشاہدہ کے مشتاق ہیں۔ شوق سے بھری ہوئی روحوں کی توجہ مشاہدۂ انوار پر رہتی ہے اور اہلِ معاملہ کے لیے جاذبِ توجہ حسن الصفات ہے اور ارواحِ روحانیہ کا قبلہ غیب کے باغات ہیں۔

اب ان میں سے ہر روح کی توجہ کا نقطہ علیحدہ ہے اگرچہ تمام ارواحِ رحمانیہ اپنے قبلہ کی طرف قصد کرتی اور الوہیت و صمدیت کے مقام کی طرف کشش رکھتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ہر ایک کا مطلع جدا ہے۔ بعض روحیں از خود رفتہ ہیں (والہات)۔ بعض شوق سے لبریز ہیں (شائقہ)۔ بعض انس سے پُر ہیں (مونسہ)۔ بعض عاشق ہیں۔ بعض اپنی ہستی سے فنا ہیں (فانیہ) اور بعض فنا ہو کر بقائے قدم سے باقی ہیں (باقیہ)۔ بعض نشۂ عشق میں سرمست ہیں اور ادبِ الٰہی کے مقامات مشاہدات اور معائنات کے کشف کے خوف سے اور غیب کے علوم سے باادب ہو کر خوفناک و بیہوش ہیں (ساکرہ) اور بعض اگرچہ شوق و جذب کے نشہ سے فنائے ہستی کر چکے ہیں لیکن بقائے قدم سے باقی رہ کر دوبارہ ہوش میں آگئے ہیں۔ اگرچہ یہ ہوش اپنا ہوش نہیں ہے بلکہ ہوش بالقدم ہے (صاحیہ)۔ لہٰذا ان سب کے مدارج اور مراکزِ توجہ جب جدا جدا ہیں تو تم کو توحید و تجرید کی استعانت سے سب سے اعلیٰ مقام فنا کی طرف دوڑنا چاہیئے اور وہاں پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کیونکہ اہلِ معرفت کی تمام ارواح جن کو عالمِ صفات کی سیر میسّر ہوئی ہے وہ ازلی تقدیر کے موافق ضرور حضورِ الٰہی میں پہنچ گئیں اور خدا تعالیٰ سب کو شرفِ حضور عطا فرمائے گا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا آگے بڑھنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو مقامِ استقامت سے بھی بہرہ اندوز کر سکتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ

اور (اے محمدؐ) جہاں کہیں سے تم نکلو (نماز میں) اپنا منھ مسجدِ حرام کی طرف کرلیا کرو کیونکہ یہی

لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

بات تمہارے رب کی طرف سے یقینی ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور (اے محمدؐ) تم جہاں کہیں سے نکلو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ

(نماز میں) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف رکھنا اور (مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنا رُخ اسی کی

شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

طرف رکھنا تاکہ لوگوں کا تم پر کوئی الزام قائم نہ رہے مگر ان میں سے جو لوگ ناحق کوشش

toobaafoundation.com

مِنْهُمْ ق فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ن وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ

(ہیں) سو تم ان سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور تاکہ میں تم کو اپنی نعمت پورا کر دوں

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

اور تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم خدا تعالیٰ نے تین بار ذکر فرمایا۔ ایک مرتبہ فَوَلِّ وَجْهَكَ الخ اوپر ذکر کردیا گیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ اس آیت میں ذکر کیا گیا یہ تکرار بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کے تین وجوہ ہیں۔

(۱) پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے تعمیم احوال مراد ہے۔ یعنی ہر حالت میں نماز قبلہ ابراہیمی کی جانب پڑھنی چاہیئے۔ دوسری بار ذکر کرنے سے تعمیم مکان کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر جگہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا لازم ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ اقامت کی صورت ہو یا سیر کی۔ وطن ہو یا غیر وطن تیسری بار ذکر کرنے سے تعمیم زمانہ مقصود ہے یعنی ہر زمانہ میں صبح وشام ظہر عصر زمانہ امن ہو یا زمانہ جہاد بہر حال سمت قبلہ ضروری ہے۔

(۲) تحویلِ قبلہ ایک عظیم الشان حکم تھا اور ابن عباس رضی کی روایت سے ثابت ہے کہ احکام اسلامی میں سب سے اول بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم منسوخ ہوا ہے تو جب یہ حکم ناسخ سب سے پہلی مرتبہ ذکر کیا گیا تو دل میں خیالات وادہام کا اثر پڑنا فطرت بشری کے مقتضا میں داخل تھا اور وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ حکم دائمی نہ ہو عارضی ہو چند روز کے بعد پھر بیت المقدس ہی قبلہ قرار پائے۔ اسی بنا پر بہت سے اشخاص کو ایک حیرت ہوگئی اور وہ استعجابی شبہ میں پڑ گئے۔ لیکن جن کو خدا تعالیٰ نے قلبِ سلیم عطا کیا تھا اور نورِ معرفت نے ان کے مشاعرِ وجدانیہ کو روشن کر رکھا تھا ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول وفعل پر یقین کامل تھا مگر پھر بھی اہلِ کتاب کا اغوا اور ضلالت انگیزی کا سلسلہ برابر جاری تھا اس لیے دوبارہ وہی پہلا حکم دیا تاکہ اہلِ کتاب کا فتنہ فرو ہو جائے اور ظاہر ہو جائے کہ یہ حکم ازلی ہے اور گزشتہ کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ کوئی امر عجیب یا خرق العادت نہیں ہے۔ لیکن اگر کمزور دماغ اور متزلزل ایمان رکھنے والوں کو پھر بھی امر قبلہ میں کوئی خلجان باقی رہ گیا ہو تو اس کے ازالہ کے لیے تیسری مرتبہ دوم حکم دیا تاکہ حتمی صورت میں تحویلِ قبلہ کا حکم ظاہر ہو جائے اور اہلِ کتاب کو قطعاً مایوسی ہو جائے کہ اب یہ نبی ہمارے قبلہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔

(۳) خدا تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا ذکر تین آیات میں فرمایا۔ لیکن ہر مرتبہ اس کی علت علیحدہ علیحدہ اور جداگانہ ذکر کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دینے کی مختلف علتیں اور مصالح ہیں۔ اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور انتہائی خواہش پوری کرنے کے لیے اور شانِ رسالت کے اکرام وتعظیم کے مظاہرہ کے لیے فرمایا قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ۔ دوسری مرتبہ اپنی عادت اور قانونِ فطرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا اور اس کے ضمن میں نسخ کو مشروع کیا اور اُمتِ محمدیہ کے لیے سہولت مہیا فرمائی اور غیب کی خبر دی کہ گزشتہ کتابوں میں بھی یہ حکم مذکور ہے کوئی امر عجیب نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ ذکر کرنے کی علت یہ بیان کی کہ مسلمانوں پر تکمیل نعمت ہو جائے اور مخالفین کے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے اور اہلِ کتاب جو طعن کرتے تھے کہ جس نبی کا گذشتہ کتابوں میں ذکر ہے وہ تو قبلہ ابراہیمی کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھے گا اور محمد چونکہ بیت المقدس

toobaafoundation.com

کی سمت نماز پڑھتے ہیں اس لیے یہ وہ نبی نہیں ہوسکتے جن کی بشارت دی گئی ہے۔ تیسری بار ذکر کرنے سے اُن کے طعن کی بیخ کنی اور دلائل کا ازالہ مقصود ہے اور اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ کتابوں میں جس نبی کا ذکر ہے کہ وہ جامع القبلتین ہوگا وہ یہی نبی ہے اب شک وشبہ کی بالکل گنجائش باقی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین کی بے جا حجت کا استیصال ہوگیا۔ مشرکین کہتے تھے کہ محمد ملتِ ابراہیمی کے تو مدعی ہیں لیکن قبلۂ ابراہیمی کو چھوڑ کر قبلۂ اہلِ کتاب کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم قبلۂ ابراہیمی کی طرف رُخ رکھو (بیضاوی) امام فخرالدین رازی نے اس تکرارِ حکم کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم اس شخص کے لیے ہے جو کہ میں کعبہ کے پاس موجود ہو اور دوسرا حکم اس کے لیے ہے جو کہ میں تو ہو لیکن کعبہ سے غیر حاضر ہو اور تیسرا حکم مکہ سے باہر والوں کے لیے ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اول حکم اس شخص کے لیے ہے جو کہ میں ہو خواہ کعبہ کے پاس ہو یا نہ ہو اور دوسرا حکم غیر مما لک والوں کے لیے ہے اور تیسرا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو سفر میں ہوں وغیرہ۔

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یعنی بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ پھیرنا ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے حق ہے۔ کسی قسم کے شک وشبہ کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ تمہارے اعمال وافعال سے ناواقف نہیں ہے۔ تم کو تمہارے اعمال کا ثواب عظیم عنایت فرمائے گا۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی تم جہاں اور جس جگہ سے نکلو اور کہیں کو جاؤ اپنا رُخ کعبہ کی طرف نماز میں رکھو وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اور جہاں کہیں ہو جس شہر میں ہو جس ملک میں ہو سفر میں ہو حضر میں ہو بہر حال تم سب استقبالِ کعبہ کرو لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تاکہ لوگوں کو تم پر کعبہ کے متعلق یا صحتِ نبوت میں نکتہ چینی اور خردہ گیری کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ ابن کثیر کے نزدیک لِلنَّاسِ سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکینِ عرب دونوں فرقے مراد ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلۂ ابراہیمی کی طرف توجہ کی تو اہلِ کتاب کہنے لگے کہ محمد عنقریب ہمارے دین کی طرف بھی رجوع کرلیں گے جس طرح ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کرلیا۔ یہی قول مجاہد، عطار، ضحاک، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس کا ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ہاں جو لوگ ظالم ہیں، حق پوشی اور باطل کوشی کرتے ہیں وہ تو بہر حال جھگڑا کیے جائیں گے۔ لیکن تم کو اس فضول مکابرے اور مجادلے سے اور جھگڑے کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ یعنی تم کو ان کے طعنوں کا خوف نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ یہ تم کو حج وطواف نہ کرنے دیں گے بلکہ میری فرماں پذیری مدِ نظر رکھو اور نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ میں ہی نصرت وامداد پر قادر ہوں۔ تم کو اُن پر غالب کردوں گا۔

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ لہٰذا تم کو مجھی سے خوف کرنا چاہیئے تاکہ میں تمہاری امداد کروں اور اپنی نعمت کمل طور پر تم کو عطا کروں۔ محی السنہ نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے تکمیلِ نعمت صرف داخلۂ جنت سے ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نعمتِ کاملہ یہ ہے کہ اسلام پر ہی خاتمہ ہو۔ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اور اس لیے بھی تم کو مجھ سے خوف کرنا چاہیئے تاکہ راہِ راست تم کو مل جائے اور جس معاملہ میں دوسری قومیں کجراہ یا گمراہ ہیں، تم اس ضلالت سے بچ جاؤ۔

مقصودِ بیان تحویلِ قبلہ کا بار بار حکم۔ سفر حضر وطن اور غیر وطن اقامت وسیر میں صبح وشام دوپہر سہ پہر ہر وقت کعبہ کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا ارشاد اعدائے اسلام کی کمزور دلائل کا ابطال اس امر کی تصریح کہ جن سرکش انسانوں کے پاس مقابلہ اور مناظرہ کے وقت کوئی دلیل نہیں باقی رہتی وہ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ لیکن ان کا جھگڑا بے سود ہے۔ اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ

toobaafoundation.com

سکتا۔ غیر اللہ سے خوف کرنے کی ممانعت اور صرف واحد قدوس سے ڈرنے کا حکم۔ مسلمانوں کو تکمیل نعمت کرنے کے بعد منت کش بنانا آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کی ہدایت اور تربیت اخلاق کے لیے تمام ضروری ذرائع مہیا کرتا ہے۔ لیکن انسان اپنے اعمال سے خود ہلاک ہوتا ہے۔ وغیرہ

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

(یہ بھی ایسا ہی احسان ہے) جیسا کہ ہم نے تمہارے لیے تمہارے ہی لوگوں میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو ہماری آیات تمہارے سامنے پڑھتا ہے اور تم

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ فَاذْكُرُوْنِيْٓ

کو پاک صاف بناتا ہے اور تم کو قرآن و شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور جن باتوں سے تم ناواقف تھے وہ تم کو سکھاتا ہے لہٰذا تم میری یاد میں لگے رہو

اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ ع ۱۸ ۵ ۲

میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو

تفسیر مخالفین نے اعتراض کیا تھا کہ شریعت محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے جس طرح کہ قبلہ منسوخ ہو گیا۔ اس شبہ کا ازالہ خداوند تعالیٰ نے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے تَهْتَدُوْنَ تک کر دیا اور چونکہ تحویلِ قبلہ کو ایک نعمت قرار دیا اس لیے اس کے ساتھ دوسری نعمت کی بھی یاد دہانی کی كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کعبہ کو قبلہ بنا کر ہم نے تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کی اسی طرح یہ بھی ہمارا عظیم الشان اور عدیم النظیر احسان ہے کہ ایک عالی مرتبہ رسول کو تمہارے لیے مبعوث فرمایا اور تمہاری قوم میں سے ہی اس کو پیدا کیا یعنی اگرچہ تمام انبیاء اولادِ اسرائیل سے ہوتے چلے آئے ہیں اور نبوت و حکومت دونوں بطور توارث بنی اسرائیل میں رہی ہیں لیکن اب ہماری عنایت تمہارے حال پر مبذول ہوئی اور نبی مکرم کو ہم نے تمہاری قوم میں سے پیدا کیا اور اس نبی نے تمہاری سعادت اور نجاتِ ابدی کے واسطے ہر ممکن ذرائع مہیا کیے اول تو یہ کہ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وہ تمہارے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ جو جو نشانیاں تورات میں بیان کی گئی ہیں وہ ان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کی زبان وحی شریعت ہے۔ وہ تم کو ہدایت کرتا اور حق و باطل کا فرق دکھاتا ہے وَيُزَكِّيْكُمْ دوسرے یہ کہ تزکیہ نفوس اور تہذیب ارواح کرتا ہے۔ نجاست بت پرستی، کفر، یہودیت اور شرک و نصرانیت سے تم کو پاک کرتا ہے وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور تیسرے یہ کہ تمام نجاستوں اور کثافتوں سے پاک صاف کر کے تم کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہے۔ فرائض شناسی اور ادائیگی حقوق سکھاتا ہے۔ تمہارے اخلاق پاکیزہ، عادات مستقیم کرتا اور اقوال و افعال و اطوار میں راستی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ خود مجسمۂ اخلاق بن کر تم کو بھی پیکرِ تہذیب بناتا ہے۔ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور بالآخر تمہاری ہدایت تجلیہ تزکیہ اور تحلیہ کر کے تم کو ایسی چیز سکھاتا ہے جس کا تم کو علم نہ تھا۔ ان تمام مدارج کو طے کرا کے نورِ معرفت سے تم کو روشن کر دیتا ہے۔ لہٰذا مقتضائے عقل یہ ہے کہ جب ہیں لے تم کو ایسے نبی کے وجودِ گرامی سے سرفراز کیا جس سے تم کو سعادتِ دارین حاصل ہوئی، تو تمہارا فرض ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ میری

toobaafoundation.com

یاد کرو، زبان سے میری تسبیح تمجید تہلیل تکبیر کرو اور کتاب کی تلاوت کیے جاؤ۔ اپنے تمام لطائف باطنیہ اور اندرونی قوی کو میری طرف متوجہ رکھو اور اتنی محویت حاصل کرو کہ اپنے نفوس کو بھی بھول جاؤ۔ نیز اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کو میرے اوامر و نواہی پر کاربند رہنے میں معروف رکھو۔ اَذْكُرْكُمْ اگر تم ایسا کرو گے تو میں بھی تم کو ثواب عطا کروں گا۔ اپنا فیض تقدس تم پر فائز کروں گا، اپنی رحمت تم پر نازل کروں گا اور اپنے قرب میں تم کو جگہ عنایت کروں گا۔

وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور میری ان تمام نعمات کا زبان دل اور اعضاء سے شکریہ ادا کرو۔ عصیان کوشی اور نافرمانی کرکے کفرانِ نعمت نہ کرو۔

مقصود بیان مومنین کو ذکر شکر اور تفکر کی ہدایت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور علو مرتبہ کا اظہار، مومنین بار کی طرف اشارہ اس بات کی طرف ایک خاص تلمیح کہ نبی کا مبعوث کرنا انسانوں پر خدا تعالیٰ کا مخصوص احسان ہے اگر انبیاء نہ ہوتے تو انسان کو ہدایت حاصل نہ ہوتی۔ آیات میں اس بات کی طرف بھی ایک لطیف کنایہ ہے کہ انسان کو پہلے اپنے نور عقل اور چشم بصیرت سے باطل و حق میں امتیاز کرنا چاہیئے۔ پھر باطل پرستی کی تمام نجاستوں اور کثافتوں کو آئینۂ دل سے صاف کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد قرآن و حدیث کا اتباع کرکے روح کی جلا کرنی لازم ہے تاکہ آخر میں نور معرفت اور آفتاب احدیت کے قبول پرتو سے وہ منور ہو جائے۔ گویا یہ انسان کی تربیتِ روحانی کے تدریجی مراتب ہیں کہ پہلے انسان گمراہی کو چھوڑتا ہے۔ ممنوعات اور امور منکرہ سے کنارہ کش ہوتا ہے۔ پھر اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ سے اپنے نفس کو آراستہ کرتا ہے اور بالآخر اس کا اصلی مدعا یعنی آفتاب قدس کی جلوہ ریزی اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب والے بھی سعادتِ روحانی حاصل کر سکتے ہیں۔ یا مسلمان شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی خدا سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ یہ صراحتہً گمراہی ہے۔ کوئی شخص بغیر اتباع قرآن و حدیث کے فلاح و سعادت نہیں پا سکتا اور نہ اس کے دل پر نورِ معرفت کی ضیا پاشی ہو سکتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

مسلمانو! (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد لو کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کیا تھا اور اپنے اس خصوصی احسان کا ذکر فرمایا تھا جو بعثتِ رسول کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور پھر اس پر شکر کرنے اور کفرانِ نعمت نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور اوامر و نواہی کی پابندی بغیر تکلیف برداشت کیے اور بدون نفسانی و مالی قربانی کے مکمل طور پر نہیں ہو سکتی اور اس قسم کے بار گراں کو برداشت کرنے کے لیے کوئی سہارا بھی ہونا چاہیئے جس کی اعانت سے اس بار گراں کا تحمل آسان ہو جائے اور قوم و ملت کی عزت برقرار رہے اس لیے آیت مذکورہ میں صبر و صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! صبر کرو۔ جو اوامر الٰہی ہیں ان کو بجا لاؤ اگرچہ تم کو ان کے اختیار کرنے اور بجا لانے میں بڑی بھاری مشقت اور درد و تکلیف برداشت کرنی پڑے۔ خواہشات نفسانی کو روک کر عفت حاصل کرو۔ فضول چیزوں کی خواہش ترک کرکے زہد و قناعت اختیار کرو اور انتقام سے اپنی طبیعت روک کر صفت حلم پیدا کرو۔ رازداری اور متانت کو حاصل کرو بھوک

toobaafoundation.com

پیاس اور مرغوباتِ نفس کے ترک کا اپنے کو خوگر بناؤ اور نماز بھی ادا کرو، اس سے بندہ کو خدا سے تقرب ہو جاتا ہے، روح منور ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے گناہ سے انسان کنارہ کش ہونے لگتا ہے۔ یہی باتیں تم کو اطاعت رسول کا پابند بنا دیں گی اور انہی کی مدد سے احکام شریعت پر کاربند ہو جاؤ گے۔ صبر و صلوٰۃ کے متعلق ہم ذیل میں چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے آیت کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

ابن کثیر کا قول ہے کہ بندہ کو اگر نعمت الٰہی ملے تو شکر کرنا چاہیئے نہ ملے تو صبر ضروری ہے اور نماز تمام خصائل خیر خصوصاً ذکر و شکر اور صبر کو جامع ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی خوب حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے جو حکم جاری فرماتا ہے اس میں اس کی بہتری ہی ہوتی ہے۔ اب اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی اور اس نے شکر کیا تو اس کو ثواب ملے گا، اور اگر خلاف مرضی کوئی بات پیش آئی اور اس نے صبر کیا تب بھی ثواب ملے گا۔

حدیث میں نماز کو معراج المومنین فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مہم درپیش ہوتی تو بہت جلد نماز کی طرف رجوع فرماتے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ یہ گذشتہ کلام کی علت ہے۔ یعنی اے مسلمانو! صبر و صلوٰۃ سے دفع مصیبت اور حصولِ عافیت کے طالب ہو کیونکہ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ جو لوگ جہاد بدنی اور مقابلہ نفسانی کرتے ہیں، اعدائے ظاہر و باطن کے دفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے نفس کو اُن چیزوں پر روکتے ہیں جو نفس پر شاق گذرتی ہیں خواہ اوامر کی پابندی ہو یا نواہی سے اجتناب بہرحال خدا کی توفیق ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ خدا ان کو دارین میں کامیاب کرتا ہے۔

مقصودِ بیان آیت میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ کفار سے جہاد کرنے کی بہ نسبت نفسانی جہاد بہت سخت ہے طاعاتِ الٰہی کو بجا لانا اور ممنوعات سے پرہیز رکھنا جہادِ اکبر ہے۔ اسی مفہوم کو لفظ صبر و صلوٰۃ سے ادا کیا گیا ہے آیت کا خصوصہ اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ جو شخص کوشش کرتا ہے قوتِ شہوانی و غضبی کو زیر کر کے عقل سے کام لیتا ہے خدا بھی اس کو کامیاب کرتا ہے۔ ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کسب اور تحمل مشقت کامیابی کی کنجی ہے۔ دنیوی مقاصد ہوں یا دینی قربانی کے بغیر کسی مقصود کا حصول نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝

اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے جائیں اُن کو مُردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے ہو۔

تفسیر جنگ بدر میں چودہ مسلمان جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے شہید ہو گئے۔ لوگوں نے ان کا نام لیکر کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں شخص مر گئے اور دنیوی نعمتیں ان سے چھوٹ گئیں، اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (معالم) گذشتہ آیت میں جہادِ اکبر یعنی صبر و صلوٰۃ کا حکم تھا اس آیت میں شہداء کی اخروی کامیابی بیان کرتے ہوئے جہادِ اصغر یعنی مقابلہ کفار کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں، قربِ الٰہی ان کو حاصل ہے۔ عرشِ رحمٰن کے نیچے ان کے مسکن ہیں۔ جو مراتب ان کے ہیں کسی دوسرے کے ہو نہیں سکتے جب ان کو اس قسم کی حیاتِ ابدی حاصل ہے تو درحقیقت زندگی انہی کی زندگی ہے۔ ہاں کفار و مشرکین جن کی روحوں کو مرنے کے بعد عذاب دیا جاتا ہے اور طرح طرح کی تکالیف ان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں مردہ درحقیقت یہ ہیں اور انہی کو میت کہا جا سکتا ہے کیونکہ دنیوی عیش و آرام اور راحت و آسائش بھی چھوٹی اور آخرت میں بھی چین نصیب نہ ہوا۔ باقی جن لوگوں کو اس فانی عیش کے بعد نعمتِ عظمیٰ لازوال زندگی اور جلوۂ قدرت کی ضیا اندوزی حاصل ہوئی وہ مردہ نہیں ہو سکتے۔

toobaafoundation.com

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور کہا گیا ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یعنی درحقیقت شہداء زندہ ہیں۔ عالم برزخ میں ان کو ایک نورانی اور باس قدسی عطا ہوتا ہے۔ ہر قسم کی لذت نعمت اور راحت ان کو میسر ہے۔ لیکن ان کی حیاتِ جاودانی کو تمہاری یہ آنکھیں اور یہ حواس محسوس نہیں کرسکتے جو اجسام کثیفہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اور اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔

مقصودِ بیان شہداء کی حیاتِ جاودانی کی تصریح، اس امر کی تصریح کہ اس مادی زندگی سے برتر ایک اور لازوال زندگی ہے جو شہداء کو میسر ہے۔ شہداء کی حیاتِ ابدی کا احساس وشعور ان کثیف حواس سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ظلمت ونور میں بون بعید ہے۔ جہادِ اکبر و اصغر کی ترغیب نورِ معرفت حاصل کرنے اور عشق کی تلوار سے اپنے نفس کی قربانی کرنے کی طرف اشارہ شہداء (خواہ بدنی ہوں یا نفسانی) کے واسطے ہر قسم کی لذت، نعمت، آرام، عیش، قربِ الٰہی اور نورِ قدس کے حصول کا اعلان۔ وغیرہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ

اور یقیناً ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالی وجانی نقصان اور پھلوں کی کمی (کی تکلیف سے) تمہاری آزمائش

وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ

کریں گے تو (اے محمد) ایسے صابر لوگوں کو خوشخبری سنادو کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں

قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن

ہم تو بلاشبہ اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف بالآخر جانے والے ہیں انہی لوگوں پر اُن کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

صدآفریں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں صبر کا حکم اور اس کے نتائج وفوائد بیان کیے گئے تھے یہاں اطلاع دی جاتی ہے کہ ضرور تم کو دولتِ صبر سے بہرہ ور کیا جائے گا اور تم کو طرح طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑیں گے۔ یہ پیش گوئی اور آئندہ کے متعلق خبر اس لیے دی جارہی ہے تاکہ مسلمانوں کو تسکینِ خاطر اور اطمینان حاصل ہوجائے تاکہ آئندہ مصائب کے برداشت کرنے کے لیے وہ دلیری اور جرأت کے ساتھ تیار ہوجائیں اور استقلال و ثبات سے ان کے قدم نہ ڈگمگانے لگیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

toobaafoundation.com

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۔ اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے
اور سلاطین و حکمران کو ظلم و جبر کرنے کے لیے کسی خوف خطرہ میں اور اعداء کے خوف میں بھی مبتلا کریں گے۔ قحط سالی، بھوک پیاس، نقصان مالی اور جانی
مرگ اولاد و اقرباء، بیماری، مرض اور ثمرات باغات کی تباہی وغیرہ سے بھی تم کو پیش آئیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے جو مصائب ہو سکتے ہیں خواہ وہ
کی صورت میں مالی اور جسمانی کی ہی یا جسمانی تکالیف یا اولاد و اقارب کی موت یا نقصان مالی سب چیزیں تم کو پیش آئیں گی لیکن نعمت آخرت اور
ثواب الٰہی کے مقابلہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں بلکہ حیات ابدی کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ بالکل ہیچ اور بے مقدار ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا ہے
خوف سے مراد خوف الٰہی ہے، بھوک سے مراد رمضان کے روزے، نقصان مالی سے مراد زکوٰۃ و صدقات، نقصان جانی سے مراد امراض اور نقصان
ثمرات سے مراد اولاد کی موت ہے۔ کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد انسان کے دل کا پھل ہوتی ہے (معالم) وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔ یعنی جو
شخص مذکورہ تمام آزمائشوں کے بعد کامیاب نکلے گا اور چھوٹے بڑے دکھ پر صبر کرے گا اس کو دنیوی کامیابی نیک نامی فتح و ظفر اور حیات جاودانی کی خوشی حاصل ہوگی۔
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ یہ صبر کرنے والوں کا بیان ہے یعنی جو شخص بڑی چھوٹی مصیبت
اور مذکورہ بالا آزمائش میں ثابت قدم رہے اور مصیبت نازل ہونے کے وقت زبان سے بھی اس بات کا اقرار کرے کہ سب کچھ خدا نے ہی دیا
تھا ہماری ہستی بھی خدا کا عطیہ ہے اور بالآخر رجوع بھی ہمارا اسی کی طرف ہوگا اور دل سے بھی یقین رکھے کہ ہم سب اپنے پروردگار کی طرف جانے
والے ہیں اور دماغ سے بھی اس امر کا تصور کرے کہ یہ تمام نعمتیں خداداد ہیں۔ جو نعمتیں خدا نے واپس لے لی ہیں وہ باقی ماندہ نعمتوں کے مقابلہ میں بہت
کم ہیں تو ایسے لوگ دنیا و دین میں کامیاب ہوتے ہیں اور دنیوی فتح و ظفر کے ساتھ ساتھ سعادت آخرت سے بھی ہمکنار ہوں گے۔ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یہ خوشخبری کا بیان ہے۔ یعنی ایسے لوگوں پر خدا کی گوناگوں رحمتیں اور نعمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کا لطف و احسان
ان کے شامل ہوتا ہے۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ یہ صابروں کی تعریف کرنے کے لیے فرمایا یعنی صبر کرنے والے اشخاص راہ راست پر ہیں۔ توفیق الٰہی
ان کے شامل حال ہے۔ دنیا میں بھی اس راہ مستقیم پر چل کر یہ فتح و ظفر اور کامرانی سے ہم آغوش ہوں گے اور آخرت میں بھی اسی طریق مستقیم سے
جنت میں پہنچ جائیں گے اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں گے۔

مقصود بیان
استقامت دینی اور ثابت قدمی کی ترغیب کوشش و محنت اور تحمل مصائب کی ہدایت، صبر اور برداشت کی تعریف
کے ساتھ ظفر و کامرانی کی وابستگی، بے صبری، بزدلی اور جزع و فزع کی ممانعت، مبداء و معاد اور نعمات الٰہی میں
غور و خوض کرنے کا حکم اور اس بات پر یقین رکھنے کا ارشاد کہ عالم ہستی کی تمام نعمتیں دینے والا اور پھر واپس لینے والا وہی خدا یکتا ہے۔ ایک لطیف
اشارہ اس طرف بھی ہے کہ خدا نے غیر متناہی احسانات و انعامات سے انسان کو سرفراز فرمایا ہے۔ ان میں سے اگر بعض نعمتوں کو واپس بھی لیتا ہے تو
صرف یہ آزمائش کرنے کے لیے کہ کون شخص ان نعمتوں کا حقیقی معطی ذات الٰہی کو خیال کرتا ہے اور کون اپنے کو ان چیزوں کا مالک حقیقی جانتا ہے
اور کون رضائے الٰہی پر صبر کرتا ہے اور کون جزع و فزع کرتا ہے۔ آیت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ محنت و کوشش کرنے والے تمام عالم ہستی
کی حیات و ممات کا مالک حقیقی خدا کو جاننے والے مصائب و آلام اور دکھ درد پر صبر کرنے والے اور ان شقتوں کو لاپرواہی اور بے احساسی سے دفع
کر کے قوانین شریعت اور ہدایت وحی کے بموجب آگے بڑھنے والے ہی راہ راست پر ہیں۔ جو لوگ دنیوی مال اور کامیابی کو اپنا دست رنج اور حاصل کردہ
جانتے ہیں یا مصائب و آلام پر بے صبری کا اظہار کرتے ہیں یا مبداء و معاد پر غور نہیں کرتے یا ظفر و کامرانی کے حصول کی جائز کوشش نہیں کرتے وہ
گمراہ اور کجراہ ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دنیوی بہبودی حاصل ہو سکتی ہے نہ دینی سعادت۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

صفا اور مروہ خدا کی طرف سے دو آداب گاہ مقرر ہیں لہٰذا جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے ان دونوں کا چکر لگانے

أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص اپنے شوق سے کوئی نیک کام کرے تو بیشک خدا قبول کرنے والا باخبر ہے

تفسیر آیتِ متصلہ میں صبر و صابرین کی مدح اور آزمائشِ الٰہی کا ذکر تھا یہاں صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے کا ذکر کرکے اس طرف ایک مخفی اشارہ کیا گیا ہے کہ فقط یہ امتحان اور صبر کرنے کا حکم تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ بڑے بڑے اولوالعزم انبیاء اور عارفین اس امتحان میں مبتلا کیے گئے اور انھوں نے مصائب پر صبر کیا۔ اس لیے ان کے مراتب و درجات اس قدر بلند کیے کہ ان کے تعمیر کردہ مکان اور دیگر معمولی مقامات بھی اُن کے نام کے لگنے کی وجہ سے اس قدر متبرک ہوگئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت کے لیے مخصوص امتیاز عطا فرما دیا۔ یاد کرو حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی گئی نوجوان اکیلا بیٹا اسمٰعیلؑ اُن سے جدا کرکے ایک لق و دق بیابان میں ڈال دیا گیا۔ اسمٰعیلؑ کی والدہ ہاجرہؑ کو تنہائی اور بھوک پیاس تپشِ آفتاب کی تکلیف دی گئی۔ لیکن چونکہ انھوں نے صبر سے کام لیا اس لیے خدا تعالیٰ نے انھی کی بدولت معمولی پہاڑیوں کو جن کا نام صفا و مروہ تھا ایسی برکت اور عظمت عطا فرمائی کہ ان کے درمیان طواف کرنے کو اپنی عبادت کے شعائر اور مخصوص علامات میں داخل کرلیا۔

جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو بحکمِ الٰہی حضرت خلیل اللہ اس لق و دق بیابان اور خشک میدان میں چھوڑ کر چلے گئے اور حضرت ہاجرہ کی مشک کا پانی ختم ہوگیا اور پیاس کی شدت اور بچہ کے تڑپنے سے بیقرار ہوکر خدا کی طرف ملتجی ہوئیں اور اسی حالتِ اضطراب میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اُس پہاڑی پر ظہورِ رحمتِ الٰہی کی اُمید میں گھومتی رہیں تو اس وقت خدا تعالیٰ نے ہاجرہ کی دعا قبول فرمائی اور فرشتہ غیب آواز دی ہاجرہ تجلی رحمت کا ظہور ہوگیا۔ تیرے اور تیرے بچہ کے لیے خدا نے چشمہ جاری کردیا جو بھوک و پیاس دونوں سے بے غم کردے گا۔ اسی وقت سے یہ جگہ محلِ اجابت قرار پائی۔ دورِ جاہلیت میں صفا و مروہ پر دو بُت رکھے تھے۔ ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔ اساف دیوتا تھا اور نائلہ دیوی۔ اہلِ عرب حج تو ابتدا ہی سے کرتے چلے آئے لیکن جہالت و کفر کی وجہ سے کچھ غلطیاں کرنے لگے تھے۔ توحید کی بجائے کعبہ کے اندر شرک کرنے لگے تھے۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے تھے اور حضرت ہاجرہ کی گویا نقل کرتے تھے لیکن دورانِ سعی میں اساف و نائلہ کو بوسے دیا کرتے تھے۔ جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا اور تمام بُت توڑ دیئے گئے تو اساف و نائلہ کو بھی توڑ دیا گیا۔ لیکن چونکہ صفا و مروہ کے درمیان اہلِ جاہلیت دوڑ کر میں دوڑا کرتے تھے، اس لیے مسلمان اس سعی کو کرنے سے جھجکے تو آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ کوہ صفا و مروہ عبادتِ الٰہی کے مخصوص نشانات اور امتیازی آداب گاہوں میں سے ہیں جس طرح کعبہ، عرفہ، مزدلفہ، منیٰ اور تمام مساجد خدا کی عبادت کے مقامات ہیں۔ اسی طرح صفا و مروہ کی پہاڑیاں بھی عبادتِ الٰہی کے مخصوص مقامات ہیں۔ ان مقاماتِ مقدسہ کی بندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ جو شخص کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اور اجابتِ دعا کے لیے ان مقامات میں طواف کرنا چاہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔ تو ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں بدستور ثواب کا کام ہے۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنی نیکی ہے اور جو شخص بلا جبر و اکراہ اپنی خوشی اور رغبتِ خاطر سے نیکی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے ثواب کو رائیگاں نہیں فرماتا بلکہ

toobaafoundation.com

اس کو قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ خدا تعالیٰ بندوں کی نیکیوں کا قدردان بھی ہے اور ان کے اعمال سے واقف بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی کے اعمال کی اس کو اطلاع نہ ہو یا اطلاع ہو لیکن وہ قدردانی نہ کرے اور اعمال کا ثواب عطا نہ فرمائے۔

مقصود بیان

بعض مقامات مخصوص طور پر تجلی گاہِ رحمت ہیں، جن میں سے صفا و مروہ بھی ہیں۔ حج میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگانی ضروری ہے۔ خواہ واجب ہو یا رکن۔ نیکی وہی معتبر ہے جو بخوشی خاطر اور دلی رغبت سے ہو۔ جبر و اکراہ اور زبردستی کی نیکی غیر مقبول ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کے اعمال رائیگاں نہیں فرماتا ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے خارج بھی نہیں ہے۔

اسرار و نکات

گزشتہ کتبِ الٰہی میں ایک پیش گوئی درج ہے کہ جَاءَ اللّٰهُ مِنْ سِيْنَا وَاسْتَعْلَنَ بِسَاعِيْرَ وَاَشْرَقَ مِنْ جِبَالِ فَارَانَ یعنی نورِ الٰہی موسیٰؑ کے زمانہ میں وادیٔ سینا سے نکلا اور حضرت عیسیٰ کے عہد میں کوہ ساعیر سے ظاہر ہوا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فاران کی پہاڑیوں یعنی صفا و مروہ وغیرہ سے طلوع ہوا۔ آیتِ مذکورہ میں لفظ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ سے اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ صرف ظاہری دوڑ لگانی اور طواف کرنا کافی نہیں ہے بلکہ حاجی کو چاہیئے کہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے وقت مشاہدہ کے نور میں مستغرق ہو کر قدرتِ الٰہی کی روشنی کا مطالعہ کرے اور دونوں پر نظر ڈال کر بشریت کی کدورتوں سے پاک ہو جائے۔ صفائے معرفت کے ساتھ ساتھ اخلاقِ فاضلہ سے متصف ہو اور جس طرح بیت اللہ کا حجاب حرم ہے اور حرم کا حجاب مکہ ہے اور مکہ کا حجاب یہ پہاڑیاں ہیں اور جب تک ان سب پردوں کو طے نہ کیا جائے کعبہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح خیمہ حضوری تک ملکوت و جبروت کے ہزاروں پردے ہیں۔ جب تک ان کو طے نہ کیا جائے بارگاہِ قدس میں حضور نہیں ہو سکتا۔ الخ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

جو لوگ اُن کھلی نشانیوں کو اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں جو ہم کتاب (توریت) میں نازل کر چکے ہیں باوجودیکہ ہم اُن لوگوں کے سامنے

بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝

کتاب (توریت) میں کھول کر بیان کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور (تمام عالم کے) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اپنی حالت درست کر لی اور صاف صاف بیان کر دیا ان کی خطاؤں کو میں معاف کر دوں گا کیونکہ میں بڑا معاف کرنے والا مہربان ہوں

تفسیر

جب براہین و دلائل سے یہود و نصاریٰ کے شکوک کا ازالہ کر دیا گیا تو اب اصل مدعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور مخالفین کو ترہیب آمیز عبارت میں نصیحت کی جاتی ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ یہود کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن ابو العالیہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ مطلق اہلِ کتاب کے حق میں اتری ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس میں داخل ہیں اگرچہ یہود اس مذمت کے زیادہ لائق ہیں کیونکہ ان کی کتاب میں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف زیادہ مشرح تھے اور فاران کے پہاڑوں کے فضائل مفصل مذکور تھے لیکن یہ

toobaafoundation.com

یہ ہے کہ آیت کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو حق کو چھپاتا ہو کیونکہ عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب کا نہیں۔
آیت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین شریعت اور مذاق اوصاف تمام کتب انبیاء میں مذکور ہیں۔ فاران کی
پہاڑیوں کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں اولادِ اسماعیل پر فضل و رحمت کا وعدہ کتب سابقہ میں بشرح بیان کر دیا
گیا ہے مگر اہلِ کتاب ان تمام روایات اور بشارات کو چھپاتے ہیں اور عام جاہلوں کو شکوک و شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور ہادی واضح کردہ
آیات و روایات پر پردہ ڈالتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ اس فعل کے مرتکب ہیں أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔ ان پر خدا کی اور تمام
عالم کی لعنت ہے۔ فرشتے، جنات، آدمی، چرند پرند اور درند سب کی ان پر لعنت برستی ہے۔ دنیا میں بھی ان کو رسوائی، ذلت اور بے برکتی
نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی وہ نجات سے محروم ہوں گے۔
وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ سے مراد ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کے نزدیک ملائکہ اور مومنین ہیں۔ ابن عطیہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے
لیکن ابن عباس کے قول کے موافق جن و انس کے علاوہ اور مخلوق مراد ہے۔
مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین پر خشک سالی ہوتی ہے تو مویشی کہتے ہیں کہ یہ آدمیوں کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ نافرمانوں پہ
لعنت کرے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بعض مخلوق کی لعنت بزبانِ حال ہوتی ہے اور بعض کی بزبانِ مقال۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا
یہ گزشتہ کلام کی استثناء ہے یعنی ہاں جن لوگوں نے شرک، کفر، بدعت اور کتمانِ حق وغیرہ سے توبہ کر لی۔ دل سے حق کی طرف رجوع کر لیا، اعمالِ صالحہ سے
اپنے نفس کی اصلاح کر لی اور تائیدِ توبہ کے لیے پھر ان امور کو علی الاعلان بیان بھی کر دیا جن کو پہلے مخفی رکھتے تھے اور امانتِ الٰہی کو ظاہر کر دیا تو فَاُولٰٓئِكَ
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ایسے لوگوں کو خدا بھی معاف فرما دیتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا اور اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے
ان کی گذشتہ بداعمالیوں پر نظر نہیں فرماتا ہے بلکہ اپنے عفو و مغفرت کے پانی سے اُن کی گزشتہ بدکاریاں دھو ڈالتا ہے۔

مقصودِ بیان

پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ آیاتِ قدرت کو چھپانے والے فطری گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لیے فطرتِ الٰہی کا
ہر ذرّہ ان پر لعنت کرتا ہے۔ کتمانِ حق حرام ہے۔ جو شخص فیصلۂ الٰہی اور حکمِ شرعی کو چھپاتا ہے وہ وعید کا مستحق ہے۔
توحیدِ الٰہی، بعثتِ انبیاء اور دیگر آیاتِ رشد فطری چیزیں ہیں جو بالکل واضح طور پر خدا نے بیان کر دی ہیں۔ ان کا چھپانا قانونِ فطرت کی خلاف
ورزی کرنا ہے۔ وغیرہ
دوسری آیت میں تبلیغ و ہدایت کو ایک لطیف پہلو سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ شرک سے
بدعت کو چھوڑ کر اعمال کی بھی اصلاح لازم ہے اور جو گذشتہ قصور ہو گئے ہوں ان کا بالکل استیصال ضروری ہے اور ایسے امور کے ظاہر کرنے کی
ضرورت ہے جن سے توبہ کا عملی مظاہرہ ہو اور شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔
ایک امر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب کے مذہبی لیڈر اگر سچے دل سے توبہ کریں اور صالح عمل کے ساتھ ساتھ اپنی گزشتہ
غلطیوں کا اعتراف کریں تو ان کی توبہ مقبول ہے، خواہ اس سے قبل ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہو۔ گویا آیت میں درس
مساوات اور اخوتِ اسلامی کی تعلیم دی گئی ہے کہ صاف دل سے مسلمان ہو جانے کے بعد موروثی مسلمانوں اور ان نو مسلموں میں کوئی امتیاز و فرق
باقی نہیں رہتا۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک دونوں کی حیثیت مساویانہ ہے۔ کیونکہ خدا رحیم ہے اس کی صفتِ رحم اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ یہ
اطاعت شعار نومسلم نسلی مسلمانوں سے درجے میں کم رہیں۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ

جو لوگ کافر رہے اور کفر پر ہی مرے اُن پر خدا کی اور فرشتوں کی

وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اور سب آدمیوں کی پھٹکار وہ ہمیشہ پھٹکار میں رہیں گے اُن کے عذاب میں بالکل

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

تخفیف نہ کی جائے گی اور نہ انھیں مُہلت دی جائے گی

تفسیر یہ ازلی اشقیاء کا بیان ہے یعنی وہ فطری کافر جنھوں نے کفر کو اختیار کیا خواہ حق کو چھپا کر یا کسی اور صورت سے یعنی خدا کی وحدانیت اور حضور خاتم النبیین صلعم کی رسالت کا انکار کرکے بہر صورت جنھوں نے شرک و بدعات سے توبہ نہ کی اور تادمِ آخر کافر رہے اور کفر ہی کی حالت میں مرے، نہ توبہ کی، نہ اعمال کی اصلاح کی تو ان مردودانِ ازلی پر ہمیشہ خدا تعالیٰ کی اور تمام علوی سفلی مخلوق کی لعنت برستی ہے۔ ہمیشہ یہ رحمتِ خداوندی سے دور رہیں گے کبھی نجات نہ ہوگی۔ تمام دنیا کی مخلوق ان کے واسطے حالی یا مقالی بد دعا کرتی ہے اور اُن کے اعضاء اور ان کی حالت ان پر لعنت کرتی ہے۔ لیکن اس فطری لعنت کا ان کو احساس نہیں ہوتا۔ ہمیشہ یہ لوگ اسی لعنت میں رہیں گے کبھی سعادتِ اُخروی ان کو حاصل نہ ہوگی اور نہ کبھی فطری لعنت سے بچ سکیں گے۔ عذابِ الٰہی اُن پر سے کبھی کم نہ ہوگا ہمیشہ مصائب و آلام میں مبتلا رہیں گے اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ یعنی کبھی اور کسی وقت عذابِ الٰہی سے رہائی نہ ملے گی۔

مقصودِ بیان اعمال کا دار و مدار انجام پر ہے۔ اگر مرتے وقت آدمی کافر رہا اور تمام عمر کفر کرنے کے بعد آخر وقت علاماتِ موت ظاہر ہونے سے قبل ایمان لے آیا تو احکامِ اسلام اس پر جاری ہوں گے۔ کفر و شرک خلافِ عقل و فطرت ہے اسی لیے کفار پر تمام عالمِ ہستی یہاں تک کہ کفار کے اعضاء و جوارح بھی خاموش لعنت کرتے ہیں۔ کفار کے عذاب میں کبھی کمی نہ ہوگی اور نہ ان کو کبھی عذاب سے رہائی ملے گی۔ کیونکہ ازلی اشقیاء کا کفر غیر محدود ہے لہٰذا ان کا عذاب بھی غیر محدود ہے۔ وغیرہ

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ ع

اور تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان و رحیم ہے

تفسیر تفسیر سراج وغیرہ میں مذکور ہے کہ کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے پروردگار کے اوصاف بیان کیجیے اس واقعہ پر آیت مذکورہ نازل ہوئی

پہلے بیان کیا گیا تھا کہ نافرمان اور کافر مخلوق لعنت میں خدا کی اور تمام کائنات کی ان پر لعنت ہوتی ہے تو یہ شبہ ہو سکتا

toobaafoundation.com

تھا کہ خدا تعالیٰ ان کافروں اور عصیاں شعاروں کو عذاب نہیں دے سکتا یا نہیں دے گا۔ کیونکہ صرف وہی معبود و الٰہ نہیں ہے بلکہ یزدان و اہرمن اور دیگر لاکھوں معبود عالم میں موجود ہیں۔ یہ اپنی طاقت سے اپنے پرستاروں کو عذاب سے بچا لیں گے یا کم از کم سفارش کر کے رہائی دلا دیں گے اسی خیال کے ابطال کے لیے آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس شیطانی وسوسہ کا ازالہ کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات پاک کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنی صفات میں یگانہ ہے، اپنے افعال میں واحد ہے۔ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، وہ معبود برحق ہے واحد و یکتا ہے۔ لیکن وحدت و تعدد سے بالاتر، کم و کیف، ہیئت و صورت، مکان و زمان، امکان و حدوث سب سے بری ہے۔ وہ ایک ہے لیکن وحدت بھی اس کی عارض نہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگرچہ مستحقِ عبادت وہی اللہ ہے مگر دیگر معبودوں کا وجود بھی عالم میں ہے کیونکہ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا عالم میں کسی معبودِ برحق کا وجود ہی نہیں، وہی واجب قدیم جامع صفاتِ کمالیہ اور علۃ العلل ہے۔ اس کے علاوہ تمام عالم ممکن حادث اور ناقص ہے۔ دوسرا کوئی کس طرح لائقِ پرستش اور مستحقِ عبادت ہو سکتا ہے۔ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ دنیا و آخرت میں حصولِ سعادت و فلاح تو اسی پر موقوف ہے۔ چھوٹی بڑی نعمت، تربیتِ جسمانی و روحانی، صحت و دولت، علم و ہدایت، اسلام و ایمان اور آخرت میں نجات سب اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ تمام عالم کو اسی نے پیدا کیا۔ لوازمِ حیات مہیا کئے، لباسِ وجود عطا کیا، جسمانی اور روحانی قوی مرحمت فرمائے۔ تو جب وہی ان تمام چیزوں کی علت اور وہی فاعلِ حقیقی ہے اور دنیا و دین میں سب اسی کی رحمت کے محتاج ہیں تو کس کا منہ ہے کہ عبودیت کا دعویٰ کر سکے۔

مقصودِ بیان توحیدِ ذات و صفات کا اعلان۔ اس امر کا تلمیح آمیز بیان کہ معبودِ حقیقی اور قابلِ پرستش صرف وہی خدائے یگانہ ہے کیسی اور وہی روحانی جسمانی دنیوی و دینی کل نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ خدا مخلوق پر ہمیشہ رحم کرتا ہے۔ دنیا میں تو کافر و مسلم، گناہگار اور فرمانبردار سب اس کے خوانِ کرم کے ریزہ چین ہیں اور آخرت میں اس کی رحمت سے صرف مسلمان بہرہ ور ہوں گے۔ عالمِ کائنات میں سوا اس کے کوئی معبود نہیں۔ وغیرہ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے لوٹ پھیر میں اور اُن جہازوں (کے چلنے)

الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ اوپر سے اُتارتا اور

مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ

زمین کے مُردہ ہونے کے بعد پھر اس پانی سے زندہ کرتا ہے اور اس نے زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور

toobaafoundation.com

تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○

ہواؤں کے چلانے میں اور اُس بادل میں جو آسمان زمین کے درمیان گھرا ہوا ہے (غرض ان سب چیزوں میں) سمجھدار لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں

تفسیر علامہ سیوطی اور مفسّر معالم التنزیل نے بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں نے خداتعالیٰ کے مذکورہ اوصافِ مقدس کو سُنا کہ وہ واحد فرد یگانہ بے ہمتا لاشریک لہٗ جامع صفات اور متوحد بالذات ہے۔ کل عالم کا فاعلِ حقیقی اور موجوداتِ عالم کا علۃ العلل ہے تو تعجب کے ساتھ برہان ودلیل کے طالب ہوئے۔ کیونکہ وحدانیتِ ذات وتوحیدِ صفات عقلی مسائل تھے۔ قوانینِ فطرت سے ان کا اثبات ضروری تھا۔ اس لیے خداتعالیٰ نے اس آیت کو مکمل نازل فرمایا۔ اس آیت میں توحیدِ ذات وصفات وجودِ باری اور اس کے علّتِ کل ہونے کی آٹھ دلیلیں بیان کی گئی ہیں جو نورِ بصیرت رکھنے والے کے لیے آیتِ ہدایت ہیں۔ (۱) آسمان وزمین کی پیدائش (۲) رات ودن کا تعاقب (۳) سمندر میں جہازوں کا چلنا اور دیگر دریائی عجائبات (۴) ابر سے بارش کا برسنا (۵) بارش سے خشک زمین کا سرسبز ہونا (۶) حیوانات کا اس غذا سے پرورش پانا اور توالد وتناسل کے ذریعے بڑھنا (۷) ہوا کا تبادلہ (۸) آسمان وزمین کے درمیان ابر کا معلق ہونا۔ چنانچہ سب سے پہلے آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کا مطلب یہ ہے کہ کس قدر زبردست اجسام رکھنے والے آسمان اور کیسی گول اور عظیم الفطرت زمین خدا نے پیدا کی۔ آسمان متعدد بنائے۔ پھر ان میں لاکھوں روشن ستارے پیدا کیے۔ ستاروں میں کوئی بڑا کوئی چھوٹا، کوئی سرخ کوئی سفید، کوئی سیارہ کوئی ثابت پیدا کیا۔ ان سب کی طبیعت ایک ہے۔ پھر یہ اختلاف کیوں ہے۔ یہ اختلافِ لون تغایرِ جسم، امتیازِ صغر وکبر، تفاوتِ حجم کیا خود بخود ہو گیا، آسمان کیا خود بخود بغیر ستون کے قائم ہیں۔ کل زمین کا ایک مادہ اور ایک قوام ہے۔ پھر اختلافِ رنگ وخاصیت کیوں ہے۔ پیداوار کی صلاحیت میں کیوں تغایر ہے۔ پانی کے بیچ میں زمین کیوں معلق ہے۔ کونسی کشش اور قوتِ جذب اس کو بیچ میں رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر قدرتِ جذب سے یہ بیچ میں قائم ہے اور زمین میں بھی مثل دیگر ستاروں کے ہے تو پھر یہ کشش میں توازن اور مساوات کس نے قائم کی۔ اس سب کے علاوہ یہ تمام اجسام مرکب ہیں اور حادث ہیں۔ کیا باوجود حدوث وافتقار کے یہ فاعلِ مختار اور قادرِ مطلق سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ دلیلِ فطرت تو ہم کو بتا رہی ہے کہ اس تمام ہستی کی علّت العلل خدائے یگانہ بے ہمتا ہے وہی قادرِ مطلق مختارِ کل ہے۔ یفعل ما یشآء ویحکم ما یرید لا الٰہ الا اللہ۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یہ دوسری دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کا باہم تعاقب کہ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے۔ پھر رات ودن کا مختلف فصلوں میں چھوٹا بڑا ہونا۔ پھر مختلف ممالک میں خطِ استوا سے دوری اور نزدیکی کے اعتبار سے رات ودن کی مقدار میں تفاوت کیوں ہے۔ کیا آفتاب کی ذاتی رفتار اس تغایر وتفاوت کی علّت ہو سکتی ہے۔ کیا آفتاب کی حرکت از خود ہے۔ کیا یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ کیا خود اس لیل ونہار کا خالق، مبدع اور علّتِ اختلاف نہیں ہے۔ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ۔ یہ تیسری دلیل ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ سمندر کے غیر محدود عجائبات، طرح طرح کی پیداوار اور ایک قسم کے پانی میں مختلف رنگ، مختلف شکل اور مختلف اقسام اور مختلف انواع کے جانوروں کا پیدا ہونا۔ قعرِ سمندر کے اندر شکمِ صدف میں دُرِ یتیم کا پرورش پانا، سطحِ آب پر بڑے بڑے بھاری جہازوں کا لاکھوں ٹن وزن لے کر جانا اور پانی کا باوجود رقیق اور سیال ہونے کے اُن کے بار کا اٹھانا اور پھر ان جہازوں کے ذریعہ سے ایک ملک کی پیداوار یا مصنوعات کا دوسرے ملک میں پہنچ کر وہاں کے لیے اسبابِ راحت وعیش مہیا کرنا وغیرہ کیا یہ قدرتِ الٰہی کے آثار نہیں ہیں۔

toobaafoundation.com

پانی کو زمین کا محیط ہونا اور سمندروں سے اٹھ کر مان سون ہوا کا چلنا اور اس سے پانی برس کر بالآخر سمندر میں آ کر شامل ہو جانا اور اس سلسلۂ غیر متناہی کا برابر قائم رہنا کیا خداوند تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور وحدانیت پر دلالت نہیں کرتا۔ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی ابر سے بارش کا نازل ہونا اور ہزاروں من پانی کا وزن لے کر ابر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور حسبِ ضرورت کروڑہا بوندوں کو برسا کر ایک سیلابِ عظیم تیار کر دینا خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ظاہرا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا یہ پانچویں دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بارش سے خشک اور تپتی ہوئی مردہ زمین میں از سرِ نو جان پڑنا اور عریاں زمین کا سبز مخملی لباس پہن لینا۔ پھول پھل اور مختلف قسم کے اناج کا پیدا ہونا جس سے تمام زندہ کائنات کی زندگی وابستہ ہے۔ کیا برہانِ توحید اور ثبوتِ وجودِ باری نہیں ہے۔ کیا یہ تمام امور خود بخود سرانجام پاتے ہیں۔ پانی کی طبیعت ایک، مادہ ایک، زمین کا مادہ ایک صورتِ نوعیہ ایک، پھر پیداوار میں یہ بیّن اختلاف کیوں ہے۔ پانی کی شکل میں زمین کو غذا پہنچنا اور پھر اس سے مختلف رنگ کے پھل پھول اور غلہ پیدا ہونا۔ مختلف اشکال ہیئت اور طرح طرح کے درخت پیدا ہونا کیا خدا کی شانِ صناعی کو واضح نہیں کر رہا ہے۔ آفتاب ایک، ماہتاب ایک اور ایک ہی شعاعی گرمی یا سردی زمین کا مادہ واحد، پانی کی خاصیت واحد، پھر ایک درخت کا شیریں دوسرے کا تلخ ہونا کیا یہ سب نیرنگیاں اسی قادرِ مطلق کے دستِ قدرت کی نہیں ہیں جو اس تمام محسوس اور نیم محسوس کائنات کے پسِ پردہ جلوہ گر ہے۔ وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ یہ چھٹی دلیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زمین پر ہزاروں قسم کے جانور پھیلے ہوئے ہیں جن کی گنتی انسانی قدرت سے خارج ہے۔ بعض توالد و تناسل کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ تخم ہوتا ہے۔ تخم سے خون، خون سے ہڈی گوشت پوست بنتا ہے۔ پھر ایک مکمل جانور حساس متحرک بن جاتا ہے۔ بعض بغیر تخم کے پیدا ہوتے ہیں۔ برساتی پانی سے مٹی میں ہزار مینڈک اور طرح طرح کے کیڑے ہوتے ہیں۔ پھر ادنیٰ درجہ کے حیوان مثلاً خراطین یعنی کیچوے سے لے کر اعلیٰ درجہ کے مکمل انسان تک ایک منتظم سلسلہ درجہ بدرجہ ارتقائی اور ترتیبی صورت میں مربوط ہے۔ یہ اسرارِ الٰہی کا مجموعہ اور جمالِ قدرت کا آئینہ نہیں تو اور کیا ہے۔ وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ یہ ساتویں دلیل ہے۔ یعنی پروا پچھوا اور جنوبی و شمالی ہوا کا چلنا اور باہم ہوا کا تبادلہ استعمالی ہوا اور اجزائے دخانیہ کا دور ہونا، اجزائے نسیم اور آکسیجن کا حاصل ہونا۔ صبح اور شام کی ہواؤں میں مستی اور اعتدال ہونا، رات کی ہواؤں میں خنکی اور دن کی ہواؤں میں تیزی و گرمی یہ سب رازہائے قدرت کا خزانہ یا خزانہ مخفی کی کنجی نہیں تو اور کیا ہے۔ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ یہ آٹھویں دلیل ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ابر کا آسمان و زمین کے درمیان معلق ہونا نہ اوپر کو اٹھنا نہ نیچے گرنا بلکہ ہوا کے جھونکوں سے اِدھر اُدھر پھرنا۔ حالانکہ اگر ان اجزائے بخاری میں پانی کے اجزاء غالب ہوں تو ان کو نیچے گرنا چاہیئے اور ہوائی اجزاء زائد ہوں تو کبھی نہ برسنا چاہیئے۔ لیکن اس کے برخلاف ابر فضا میں معلق ہے۔ نہ نیچے گرتا ہے۔ نہ جاہ [illegible] و راکد ہو کر ایک جگہ جم جاتا ہے۔ یہ سب آثارِ قدرت اور براہینِ توحید نہیں تو اور کیا ہے۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ یعنی تمام مصنوعات مذکورہ عقل و بصیرت رکھنے والے طبقہ کے لیے شمعِ راہ ہیں اور ایک وجودِ موجود و قادرِ مطلق مختارِ کل مریدِ اکمل حکیم و علیم واحد و یگانہ صانع کا پتہ دیتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش، رات دن کا تعاقب و اختلاف ہزارہا من بوجھ لاد کر جہازوں کا سمندر میں چلنا آسمان سے بارش کا برسنا اور خشک زمین کا اس سے سرسبز ہونا پھر ہر قسم کے حیوانات کا اس غذا سے پرورش پا کر توالد و تناسل اور توالید کے ذریعہ سے بڑھنا اور زمین پر پھیلنا، ابر کا بلا سہارے زمین و آسمان کے درمیان معلق رہنا۔ غرض یہ سب امورِ قدرت کے کرشمے اور توحیدِ حق کے مظاہرات ہیں اور یہ چیزیں سب کی سب ممکناتِ عالم سے ہیں جن کا وجود و عدم یکساں ہے اور کسی ایک شق کا ظاہر ہونا بغیر مرجح کے ناممکن ہے۔ ضرور ایک ایسے مرجح کی ہستی لازمی ہے کہ جب چاہے موجود کرے اور جب چاہے معدوم کرے اور وہ ذات واجب الوجود وحدہٗ لاشریک ہے، جو یگانہ و فرد

مجتمع النظیر واحد بے مثال قادر ذوالجلال مختار علی الاطلاق عالم حقائق حکیم کامل اور صناع بے مثال ہے۔ کیونکہ نعوذ باللہ اگر متعدد خدا ہوں تو باہم اختلاف سے عالم کا نظم و نسق برہم ہو جائے اور متفق ہوں تو دو فاعلوں کا ایک فعل واثر پر اجتماع لازم آئے گا۔ بہرحال تمام افراد ممکنہ اور حوادث و واقعات صناع لم یزل کی وحدانیت ثابت کر رہے ہیں اور بزبان حال بول رہے ہیں کہ وحدہٗ لاشریک۔ لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔

مقصودِ بیان

عقل و بصیرت رکھنے والوں کی فضیلت و شرافت کی تصریح، آیاتِ قدرت کے مشاہدہ کی تعلیم۔ مصنوعات سے صانع پر استدلال کرنے کی طرف اشارہ، توحید ذات و صفات کا وضوح۔ قدرت کاملہ محیط کل ہونے کا بیان۔ وغیرہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اور شریک بنا رکھتے ہیں جن سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ

کرنی چاہیئے البتہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص ظالموں کی اُس وقت کی حالت دیکھے جبکہ وہ

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○ اِذْ

عذاب کو دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے اور بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے جبکہ

تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

کافروں کے پیشوا اپنے مریدوں سے بیزار ہوں گے اور کافر عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے باہمی تعلقات

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

منقطع ہو جائیں گے اور پیروی کرنے والے مرید کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک بار پھر دنیا میں جانا مل جائے تو ہم بھی اُن

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ

سے ایسے ہی الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے (آج) الگ ہو گئے اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو ان کے سامنے باعثِ افسوس بنا کر لائیگا

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ ع

اور وہ دوزخ سے کبھی نکلنے والے نہ ہوں گے

toobaafoundation.com

تفسیر گزشتہ آیات سے خدا کی ذات و صفات و وحدانیت اور خالقِ کائنات ہونا ثابت ہوگیا لیکن بعض بیوقوف باوجود کھلی ہوئی دلیلوں کے پھر شرک میں مبتلا ہیں۔ ان کا بیان آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ میں کیا گیا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ کے نزدیک انداد کی مراد بت ہیں اور بعض کے قول کے موافق وہ سردار اور مذہبی پیشوا مراد ہیں جن کی فرمانبرداری حکم شریعت کے خلاف کیا کرتے تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ آیت میں عام معنی مراد ہے یعنی وہ ہر چیز جو ذکر اللہ سے غافل کرے وہی مراد ہے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ بعض بیوقوف نافہم لوگ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بناتے ہیں، غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں۔ ہوا پرستی، نفس پرستی، دنیا پرستی، جاہ پرستی، حکومت پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی غرض یہ کہ غیر اللہ پرستی کرتے ہیں اور يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ان کی ایسی تعظیم و تکریم کرتے ہیں جیسی خدا کی کرنی چاہیئے اور ہر وقت غیر اللہ کی طرف ایسا میلانِ خاطر رکھتے ہیں جو سوائے خدا کے اور کسی کی طرف سزاوار نہ تھا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ لیکن جو لوگ خدا سے ہی نفع و ضرر کو وابستہ جانتے ہیں، ذات و صفاتِ الٰہی میں کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں اور سچے دل سے خدا پر ایمان لے آئے ہیں وہ تو احکامِ الٰہی کی فرمانبرداری میں اپنا جان و مال فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابل کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ وہ کافر لوگ جو غیر اللہ سے محبت اور پرستش کرتے ہیں اور یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اُن کے معبود مصیبت کے وقت اُن کے کام آئیں گے تو ان کا یہ خیال غلط ہے (اگرچہ محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ مصیبت کے وقت محبوب محب کے کام آئے) کیونکہ قیامت کے دن جب یہ باطل کوش لوگ عذابِ الٰہی کو دیکھیں گے اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ پوری قدرت اور کامل قدرت و غلبہ خدا ہی کے لیے ہے۔ اور عذابِ الٰہی بہت سخت ہے اور خدا ہی کے قبضہ میں عذاب دینا ہے (اور یہ باطل معبود ہم کو عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتے) تو اس وقت ان کی خواہش ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم شرک و نافرمانی نہ کرتے۔ کیونکہ جن چیزوں کو انھوں نے اپنا معبود و خدا بنا لیا تھا وہ تو بالکل مجبور ہوں گی ان کی کسی طرح امداد نہ کر سکیں گی۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ۔ یعنی عذابِ الٰہی کا وقت ایسا ہولناک ہوگا کہ اُن کے دینوی پیشوا اور امام بھی اظہارِ بیزاری کریں گے اور عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ان کا ساتھ نہ دیں گے اور ان کی خلاصی و نجات کے تمام ذرائع ٹوٹ جائیں گے۔

عطا نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اسباب سے مراد مودت و دوستی ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ یعنی دنیوی دوستی و مودت وہاں کام نہ آئے گی اور جس قدر دوستی کے تعلقات تھے قیامت کے دن اجنبیت و غیریت سے بدل جائیں گے۔ کوئی دوست کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ابن عباسؓ کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اسباب سے مراد رشتہ داری اور قرابت ہے۔ بعض کے نزدیک اعمال مراد ہیں۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ بیوقوف جن ملائکہ کو دنیا میں پوجتے تھے وہ بھی ان سے قیامت کے دن اظہارِ بیزاری کریں گے اور کہیں گے (تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ) اور یہ بھی کہیں گے (سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ) یعنی چونکہ غیر اللہ کی پرستش ایک سخت خوفناک چیز ہے۔ پس ملائکہ باوجود عصمت کے خوف کھائیں گے اور اپنی طرف اس نسبتِ باطل کے منسوب ہونے سے بھی اظہارِ برأت کریں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا۔ یعنی وہ وقت نہایت حسرت کا ہوگا جب باطل پرستوں کو رہائی کا کوئی راستہ نہ ملے گا اور نجات سے مایوس ہو جائیں گے تو انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ مجبور ہو کر کہیں گے کہ کاش ہم کو ایک بار لوٹ کر دنیا میں

toobaafoundation.com

جاتا پھر ل جاتا تو اب کی بار ہم شرک و کفر نہ کرتے اور ان باطل پیشواؤں سے اسی طرح بیزار ہوتے جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری کر رہے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ آرزو بے سود ہوگی صرف اس وجہ سے لے کر چلنے کی ان کو نصیب ہوگی کہ ان کے اعمال ان کے لیے باعث حسرت و ندامت ہوں گے اور خدا تعالیٰ یونہی ان کے اعمال کو ان کے لیے باعث صد حسرت و افسوس بنا کر دکھائے گا۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ یہ حال تو دوزخ میں داخل ہونے سے قبل کا ہوگا اور صرف عذاب الٰہی کو دیکھ کر ان کی یہ کیفیت ہوگی مگر جب دوزخ میں داخل کر دیے جائیں گے تو پھر کبھی نہ نکل سکیں گے یا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمنا ان کی پوری نہ ہوگی۔ دوزخ میں پڑے پڑے اسی طرح کی حسرتناک آرزوئیں کرتے رہیں گے اور دوزخ سے کبھی نکلنا میسر نہ ہوگا۔

مقصود بیان

غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت خواہ کسی قسم کی پرستش ہو۔ نفس پرستی ہو یا شہوت پرستی یا غضب پرستی یا دماغ پرستی، ہوا پرستی یا جاہ پرستی یا حکومت پرستی، بتوں کی عبادت ہو یا شیطانوں کی یا آفتاب و ماہتاب کی یا دیگر ستاروں کی یا فرشتوں کی یا پیروں کی یا قبروں کی یا انبیاء و اولیاء کی یا موالید ثلاثہ اور عناصر اربعہ میں سے کسی کی بہرحال غیر اللہ کی پوجا کرنی یا ایسی تعظیم و تکریم کرنی جو خداوند تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے حرام ہے۔

محبت الٰہی کی تعلیم اور آسمانی اوامر و نواہی پر کاربند ہونے کی طرف اشارہ مومنین کاملین کی پختگی ایمان اور ثبات عقیدہ کی مدح اعمال کفار کے ہیبت ناک نظارہ کا بیان۔ خدا تعالیٰ کے غالب قادر قوی اور ذات و صفات میں منفرد ہونے کا اظہار قیامت کے دن ہر قسم کی امداد سے کافروں کے مایوس و محروم ہو جانے کی تصریح، کفار پر دائمی عذاب ہونے کی نص۔ وغیرہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

لوگو زمین کی پیداوار میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ

نہ چلو کیونکہ وہ کھلا ہوا دشمن ہے وہ تو تم کو بدکاری اور بے حیائی اور اس سے بھی بڑھ

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

خدا پر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گا

تفسیر بیضاوی نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور پہننا حرام کر لیا تھا ان کے حق میں آیت مذکورہ نازل ہوئی لیکن قرطبی و سیوطی وغیرہ نے اس کو مرجوح قرار دیا ہے اور راجح روایت یہ بیان کی ہے کہ قبائل بنی ثقیف خزاعہ، عامر اور بنی مدلج کے کفار کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا تھا۔ جنہوں نے سانڈ وغیرہ جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔

toobaafoundation.com

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آیت کا مورد کچھ بھی ہو بہر حال عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص سبب غیر معتبر ہے۔ اس لیے آیت کے حکم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو عمدہ کھانا پہننا چھوڑ دے اور از روئے اعتقاد لذائذ جائز کو اپنے اوپر حرام کر لے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! رُوئے زمین کی پیداوار میں سے جو چیزیں شرعاً حلال ہیں اور ان کی حلت میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہو ان کو کھاؤ ان کی حلت میں شک نہ کرو۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔ خطوات شیطان سے مراد شیطان کے راستے ہیں (زجاج) یا وہ گناہ مراد ہیں جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے (ابو عبیدہ) یا خدا کی مطلق نافرمانی مراد ہے (قتادہ وسدی) یا وہ امر قبیحہ مراد ہیں جن کو شیطان آراستہ و دلکش بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے (سعید بن جبیر واختارہ السیوطی)

شعبی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی قربانی کرنے کی نذر مانی حضرت مسروق نے اس کو فتویٰ دیا کہ مینڈھا ذبح کردے اور فرمایا یہ فعل خطواتِ شیطان سے ہے۔

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کچھ نمک اور چند کھیرے پیش کیے گئے۔ آپ نے کھانا شروع کیا حاضرین بھی کھانے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن ایک شخص الگ ہو گیا۔ ابن مسعودؓ نے حکم دیا اس شخص کو بھی دینا چاہیے۔ اس شخص نے عرض کیا میرا دل نہیں چاہتا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کیا تمہارا روزہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی نہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے نذر مانی ہے کہ کھیرے کبھی نہ کھاؤں گا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا یہ خطواتِ شیطان سے ہے تم کو کھانا چاہیے اور قسم کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو قسم یا نذر غصہ میں ہو وہ خطواتِ شیطان سے ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! شیطان کی پیروی نہ کرو کہ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام بنا لو یہ شیطانی حرکت ہے اس سے پرہیز رکھو إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس کی دشمنی انہیں لوگوں کو نظر آتی ہے جو نورِ بصیرت رکھتے ہیں اور جو کور دماغ لوگ ہیں وہ شیطان کو دوست سمجھتے ہیں اور حقیقت امر سے بے بہرہ ہیں۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ یہ شیطان کے عدو مبین ہونے کا ثبوت ہے۔ یعنی شیطان بے سود اور بُری باتیں تمہارے دل میں ڈالتا اور گناہ (بدی) کی طرف تم کو مائل کرتا ہے اور عقلی و شرعی منکرات کے ارتکاب کا تم کو مشورہ دیتا ہے۔ سوء سے مراد وہ چیز ہے جو عقلاً قبیح ہو اور فحشاء سے مراد امر منکر ہے، جو شرعاً قبیح ہو۔ وَأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور شیطان تم کو اس طرف بھی مائل کرتا ہے کہ غیر یقینی باتوں کو حکم الٰہی کہو اور اپنے دماغی اختراعیات کو حلال یا حرام کہنے لگو۔

مقصود بیان دنیا کی کل حلال چیزوں کا کھانا پینا پہننا اور استعمال کرنا مباح ہے لیکن ان چیزوں کی حلت میں کوئی شرعی شبہ ہونا چاہیے حلت و حرمت کا حکم اپنی عقل سے تراشنا حرام ہے جو چیز شرعاً حلال ہے وہی حلال ہے اور جو چیز شرعاً حرام ہے وہ حرام ہے۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال جاننا گمراہی ہے۔ دماغی توہمات یا قیاسی الجھنوں کا اتباع کرنا حرام ہے بشرطیکہ قیاس کی علت منصوصہ نہ ہو اور ظن مجتہد کا رجوع کسی شرعی قانون کی طرف ہو۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام پر چلو تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے

toobaafoundation.com

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

باپ دادا کو پایا ہے بھلا اگر اُن کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور گمراہ ہوں

تفسیر گزشتہ آیات میں ان لوگوں کو زجر و تنبیہ کی گئی تھی۔ جو حلال شرعی کو حرام کر لیتے ہیں اور ظنیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں چونکہ یہودی بھی انہی لوگوں میں داخل تھے۔ کیونکہ یہودی بھی احکام قرآنی کے خلاف حلال کو حرام جانتے اور دماغی تراشیدہ احکام کی پیروی کرتے تھے۔ اس لیے اس آیت میں یہودیوں کی حالت بیان کی گئی۔

ابن کثیر اور بغوی نے روایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ والا نے جب یہودیوں کو ایمان کی ترغیب اور اسلام کی دعوت دی تو رافع بن حرملہ اور مالک بن عوف کہنے لگے۔ محمدؐ! ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے تھے۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عقلمند تھے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں کی حماقت کی بھی عجیب حالت ہے۔ جب اُن سے احکام الٰہی پر کاربند ہونے اور عمل پیرا ہونے کو کہا جاتا ہے تو قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں۔ ہم باپ دادا کے رواج کے مقابلہ میں احکام الٰہی کا اتباع نہیں کر سکتے ہم نے تو اپنے اسلاف کو جن رواجوں اور رسموں پر عمل کرتے پایا انہی کو مانیں گے اور انہی پر عمل کریں گے۔ خدا تعالیٰ اس قول کی تردید فرماتا ہے۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ کیا یہ لوگ اپنے اسلاف کی کورانہ تقلید اور اندھا دھند پیروی کیے جائیں گے اگرچہ ان کے باپ دادا امور دینی میں عقل نہ رکھتے ہوں۔ مسائل الٰہی سے واقف نہ ہوں اور نہ راہِ حق پر ہوں ان کی جہالت قابلِ تعجب ہے۔

مقصود بیان اگر باپ دادا یا خاندانی بزرگ کسی غلط راستہ پر ہوں اور اُن کے افعال احکام الٰہی کے خلاف ہوں تو ان کی پیروی نہ کی جائے جس شخص میں خود قوت نظر اور ملکۂ اجتہاد ہو اس کو دوسرے کی تقلید کرنی ناجائز ہے۔ باقی انبیاء، ائمہ مجتہدین کے اقوال کو ماننا تو تقلید نہیں بلکہ اتباع مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے۔ گویا ممانعت اس بات کی ہے کہ کسی غیر کا قول احکام دینی کے متعلق بلا دلیل مان لیا جائے اور چونکہ یہ معنی تقلید مجتہدین میں نہیں پائے جاتے، اس لیے ان کی تقلید درحقیقت اتباع مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے۔ ہاں جو لوگ اصحابِ نظر ہیں ان کے لیے کسی مجتہد کی تقلید بھی ناجائز ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اور کافروں کو نصیحت کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جانور کے پیچھے چلّا رہا ہو جو سوائے پکارا اور چلّانے کی

وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

آواز کے اور کچھ نہ سنتا ہو یہ لوگ بہرے گونگے اندھے ہیں اسی وجہ سے کچھ نہیں سمجھتے

تفسیر یعنی ان کافروں کو سمجھانا ایسا ہے جیسے کوئی شخص جنگلی جانوروں کو بلائے اور وہ سوائے چیخ پکار اور محض آواز کے کچھ بھی نہیں

toobaafoundation.com

سننے اور بلا سمجھے بوجھے محض آواز سے ایک طرف کو چل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال ان کا ہے جو نہ علم و خرد رکھتے ہیں، نہ عالم کی بات مانتے ہیں بلکہ باپ دادا کے رسموں کی پابندی بلا سمجھے بوجھے کرتے ہیں۔ آیت کی تفسیر میں چار قول بیان کیے گئے ہیں۔ جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ لیکن صحیح مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔

ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس گمراہی اور جہالت میں کافر پڑے ہیں اُن کی مثال چوپایوں کے اس چلتے ہوئے ریوڑ کی طرح ہے جس کو راہ پر چلانے کے لیے چرواہا آواز دیتا ہے لیکن وہ مویشی اس کی بات نہیں سمجھتے صرف آواز سنتے ہیں۔ شیخ ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، عطا، حسن بصریؒ، قتادہ، عطاء خراسانی اور ربیع بن انسؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ کفار باپ دادوں کا اتباع کرتے ہیں اور حقیقت حال سے واقف نہیں کہ یہ گمراہی ہے یا ہدایت۔ اس اتباع میں ان کی حالت ان مویشیوں کی طرح ہے جو چرواہے کی صرف آواز سنتے ہیں اور مفہوم نہیں سمجھتے۔ ابو البقاء نے کہا ہے کہ آیت میں کفار کے ہادی کو چرواہے سے تشبیہ دی گئی اور کفار کو بہائم سے۔

قطرب نے اسی طرح تفسیر کی ہے کہ کافر جو اپنے بتوں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے چرواہا اپنے گلہ کو پکارتا ہے۔ حالانکہ ان جانوروں کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہیں۔ ابن جریر نے اسی مطلب کو پسند کیا ہے۔

عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کافر جو اپنے پتھر سے بنے دیوتاؤں کو پکارتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات میں چیخ رہا ہو کہ سوائے آواز بازگشت کے اس کو کوئی چیز جواب نہیں دیتی اور نہ سنتی ہے اور جو آواز لوٹ کر آتی ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ یعنی یہ لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ نورِ بصیرت ان کے دماغوں میں نہیں کہ آفتاب حق کو دیکھ سکیں۔ گوشِ معرفت ان کے گراں ہیں جس کی وجہ سے یہ حق بات نہیں سُن سکتے اور نطقِ صداقت کی ان کو طاقت میسر نہیں کہ اعلان حق یا کلمۂ صداقت زبان پر لا سکیں۔ حاصل یہ کہ عقلِ نورانی سے محروم ہیں اس لیے دینی سمجھ اور فقاہت، حق سے بے نصیب ہیں۔

مقصود بیان

کفار بالکل جانوروں کی طرح ہیں جو چرواہے کی آواز پر بلا سمجھے بوجھے چل دیتے ہیں۔ کفار نورِ فطرت اور ضیاءِ عقل سے محروم ہیں۔ اگرچہ ظاہری حواس اور باطنی دماغی مشاعر ان کے درست ہیں لیکن بصیرتِ معرفت اور حقانیت سے بالکل خالی ہیں اسی لیے ان کو ہدایت کی سمجھ اور حق کی ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کی عقلی روحانی پر جہالت کے پردے پڑے ہیں نورِ فطرت گمراہی کے قفلوں کے اندر بند ہو ان کو راہ راست مل ہی نہیں سکتی۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ آیت میں تبلیغ تا ترہیب اور کفر و جہالت سے زجر و توبیخ بھی ہے اور کفار کی فطری پستی کا بھی اظہار ہے۔ وغیرہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

مسلمانو! ہماری دی ہوئی پاک چیزیں کھاؤ اور اگر تم اُسی کی بندگی

اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

کرتے ہو تو اس کا شکر بھی کرو

toobaafoundation.com

تفسیر

پہلی آیت کا تو مورد خاص تھا لیکن اس آیت میں اکل حلال کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے مسلمانو! ہم نے تم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے انہی چیزوں کو کام میں لاؤ اور وہی چیز کھاؤ جو شرعاً حلال ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک کھانے سے نفع اٹھانا مراد ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ طیبات سے پاک کمائی مراد ہے صرف پاک طعام ہی مراد نہیں ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ رزقِ حلال مراد ہے۔

وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ اور خدا کا شکر ادا کرو زبان کو بھی اس کی حمد و شکر میں صرف کرو اور باقی دیگر اعضاء و جوارح کو بھی اسی کے حکم کی تعمیل اور اسی کی فرمانبرداری میں مشغول رکھو۔ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم واقعی اس کی پرستش کرتے ہو کہ وہی معبود ہے اور جانتے ہو کہ خدا ہی نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ بیہقی وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا اور جن و انس کا حال ایک تعجب انگیز ہے پیدا تو میں کرتا ہوں اور پرستش غیروں کی کی جاتی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں اور شکر اوروں کا ادا کیا جاتا ہے۔

مقصودِ بیان

افراط و تفریط دونوں شرعاً ناجائز ہیں۔ تفریط تو یہ ہے کہ جو چیزیں شرعاً حلال ہیں ان کو بھی اپنے اوپر حرام کر لیا جائے اس کی تردید و ممانعت ہے۔ حلال کی طرف ترغیب اور حرام سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پاک چیزوں کو تم عبادت سمجھ کر نہیں کھاتے ہو یہ خیال غلط ہے۔ ان کا ترک کرنا عبادت نہیں ہے۔ خدا نے تم کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان کو اپنے اوپر حرام کر لینا کفرانِ نعمت ہے۔ تم کو کفرانِ نعمت نہ کرنا چاہیئے بلکہ شکرِ الٰہی بجا لانا چاہیئے اور شکر کو بھی صرف زبان تک کافی نہیں بلکہ دل، زبان اور تمام اعضاء و جوارح کو طاعتِ الٰہی اور فرمانبرداری میں صرف کرنا چاہیئے۔ صرف زبانی یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں کافی نہیں ہے جب تک اس کا عملی ثبوت نہ ہو۔

ہدایتِ خاص

تمام حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا لازم ہی نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔ اِن بعض وقت بعض اشیاء کا کھانا واجب ہوتا ہے مثلاً اگر نہ کھانے سے خوفِ ہلاکت ہو تو بقدر سدِ رمق کھانا واجب ہے اور کبھی کھانا مستحب ہوتا ہے مثلاً افطاری، ولیمہ اور مہمانوں کے ساتھ کھانا وغیرہ۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

انہی نے تم پر صرف مُردار کو اور خون کو اور سؤر کے گوشت کو اور اس چیز کو جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ہاں جو کوئی ناچار ہو جائے مگر حد عدول حکمی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں حلال چیزوں کے کھانے اور حرام چیز سے اجتناب کرنے کی ہدایت تھی۔ اہلِ عرب نے بہت سی حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال سمجھ رکھا تھا۔ کیونکہ ان کو حلت و حرمت کا کوئی شرعی علم نہ تھا صرف رواج و رسم کے اعتبار سے جو چیز ان کے نزدیک حلال تھی اس کو حلال جانتے تھے اور جو چیز حرام تھی اس کو حرام جانتے تھے۔ حلال و حرام کا مسئلہ چونکہ تفصیل کا محتاج تھا اس لیے اس

toobaafoundation.com

کو بیان کیا جاتا ہے۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے ان میں سے صرف مذکورہ ذیل اشیا حرام ہیں: (۱) مردار خواہ کسی قسم کا ہو خود بخود مرجائے یا شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا بغیر اللہ کے نام کے کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا دیوار پر سے گر کر مرگیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کر مار ڈالا ہو یا گلا گھونٹنے سے وہ مرگیا ہو یا جھٹکا کرنے سے مرا ہو وغیرہ (مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے مستثنیٰ ہے)

وَالدَّمَ یہ دوسری قسم ہے۔ یعنی خون رواں کا کھانا بھی حرام ہے خواہ اس کو پکا کر کھایا جائے یا سینک کر یا جما کر یا ویسے ہی پی لیا جائے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ یہ تیسری قسم ہے۔ یعنی سور کا گوشت پوست ہڈی چربی رگ پٹھا کھال وغیرہ سب حرام ہیں۔ آیت میں اگرچہ صرف گوشت کا بیان ہے لیکن گوشت پر ہی حصر نہیں ہے بلکہ گوشت ہی چونکہ سب سے بڑھ کر قابلِ انتفاع چیز تھی اس لیے اس کو ہی ذکر کر دیا اور باقی اجزاء حکماً اس میں داخل ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ یہ آخری قسم ہے یعنی جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سوائے خدا کے کسی اور کے نام پر اس کو نامزد کیا گیا ہو یا ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو مثلاً شیخ سدو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، کالی بھوانی کا سانڈ وغیرہ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک، مجاہد اور قتادہ وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مقصود ہے۔ یعنی جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جائے وہ حرام ہے۔ ربیع بن انس اور عطاء خراسانی وغیرہ علماء نے غیر اللہ کے نام پر نامزد ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی جس چیز کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کر دیا گیا ہو خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو تو وہ حرام ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے اور ہم نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ ہاں جو شخص مذکورہ اشیاء کے کھانے یا استعمال کرنے پر مجبور ہی ہو جائے۔ مثلاً کوئی حلال چیز پاس موجود نہ ہو اور بھوک کی وجہ سے جان پر بن سکے یا کسی سخت مرض میں مبتلا ہو جائے اور ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ ہو یا کوئی ظالم مذکورہ اشیاء کے کھانے پر مجبور کرے اور اس کو یقین ہو جائے کہ اگر میں نہ کھاؤں گا تو ظالم مجھ کو مار ڈالے گا یا میرے کسی عزیز رشتہ دار کو مار ڈالے گا یا ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالے گا۔

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ تو ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کھانے سے لذت مطلوب ہو نہ حد ضرورت سے زائد تجاوز کرے۔ لیکن ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں پاک نہیں ہو جاتی ہیں بدستور نجس ہیں مگر مجبوری کی وجہ سے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اب اگر کھانے میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہو جائے تو خدا غفور رحیم ہے خود بے اعتدالی نہ کرنی چاہیئے۔

غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی تفسیر مختلف صورت سے کی گئی ہے۔ بعض نے تو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ رہزن نہ ہو خلیفۃ المسلمین سے باغی نہ ہو اور کسی کام معصیت کے لیے نکلا ہو۔ لہٰذا جو شخص رہزنی کرنے، ڈاکہ ڈالنے، خلیفہ سے بغاوت کرنے یا کسی اور گناہ کے ارادہ سے سفر کو نکلا ہو اور مذکورہ چیزوں کے استعمال پر مجبور ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں۔ مجاہد، سعید بن جبیر، شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔ ابن حیان کہتے ہیں غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو حلال جاننے والا نہ ہو۔ سدی کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ خواہش نفسانی پوری نہ کرنی چاہتا ہو۔ ابن ایاس کہتے ہیں کہ مردار کو بھون کر ایسا نہ بنائے کہ کھانے کی رغبت و خواہش پیدا ہونے لگے اور صرف اس قدر ساتھ لے کہ رزق حلال مل جائے۔ جب رزق حلال مل جائے تو مردار کو پھینک دے۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان جن اشیاء کو کفار نے حرام سمجھ رکھا تھا ان میں سے واقعی حرام اشیاء کی تفصیل، توحید ذات و صفات کے اظہار و اعلان کے لیے ان تمام چیزوں کی ممانعت جو شرک کا شبہ بھی پیدا کرتی ہوں۔ مجبور و مضطر شخص کو اکلِ حرام کی اجازت لیکن بقدر دفع ضرورت اس امر کی طرف اشارہ کہ مقصود نیت کا حسن و اصلاح ہے۔ اگر نیت درست ہے اور عمل میں کمی بیشی یا بے اعتدالی ہوگئی ہے تو خدا تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان کو اپنی زندگی بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر خوف ہو جائے کہ ہلاکت پیدا ہو جائے گی کو اکلِ حرام بھی جائز ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اصلاحِ زندگی کا حکم دیتا ہے۔ افسادِ زندگی خلاف منشائے الٰہی ہے۔ ہلاکتِ نفس حکم شرعی کے خلاف ہے۔ اسی لیے قتل و خودکشی حرام ہے۔ وغیرہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ

جو لوگ ان آیات کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کی ہیں اور اس کے عوض تھیل معاوضہ

ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

لے لیتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں (لذیذ غذا نہیں بلکہ) آگ بھرتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات

اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک و صاف کرے گا اور غصہ و عتاب کے ساتھ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا

تفسیر یہ آیت یہودی علماء کے حق میں نازل ہوئی جن کو عام یہودیوں نے اپنا سردار مقرر کر لیا تھا۔ عوام کی کھیتی باڑیوں میں یہ حصہ دار تھے اس کے علاوہ تحفے ہدیے بھی ان کو خوب ملتے تھے۔ جب نبی آخر الزماں مبعوث ہوئے تو ان کو اپنی سیادت و ریاست کے زوال کا خوف پیدا ہوا۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ تورات سے محو کر دیا یا تغیر تبدل کر کے اظہار کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ روپیہ پیسہ لے کر یہ عوام کے جذبات کے موافق خلاف حق فیصلے بھی دے دیا کرتے تھے جس طرح کہ آجکل کے پیشہ ور ملا کیا کرتے ہیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام اور آیاتِ الٰہی کو چھپاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حلیہ ظاہر نہیں کرتے تاکہ ان کی ریاست زائل نہ ہو بلکہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ لکھا کر کہتے ہیں کہ یہ توریتِ الٰہی ہے اور کتابِ الٰہی کو چھپانے کے عوض کچھ دنیوی حقیر مال حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عوام کی کھیتی باڑی میں حصہ ہدیہ اور تحفہ اور کچھ روپیہ پیسہ اس کتمانِ حق کے عوض ان کو مل جاتا ہے تو أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ یہ لوگ درحقیقت کھانا نہیں کھاتے بلکہ دوزخ کی آگ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حرام کمائی ان کے واسطے آتشِ دوزخ کا سبب ہے۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اور قیامت کے دن خدا تعالیٰ ان سے مہربانی سے کلام نہ کرے گا ابن جریر کے قول کے موافق یہ مطلب ہے کہ خدا بالکل ان سے کلام نہیں کرے گا۔ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے۔ مفسرین کے نزدیک صحیح معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے۔ وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور نہ گناہوں کی آلائش سے کبھی ان کو پاک کرے گا کہ اپنی عصیاں شعاری اور معصیت کوشی کی گندگی سے صاف

toobaafoundation.com

ہو کر وہ عذابِ الٰہی سے رہائی پا سکیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بلکہ ان کے لیے سخت تکلیف دہ الم رساں عذاب ہوگا اور یہ عذابِ الٰہی کہیں کے لیے مخصوص ہوگا۔

مقصودِ بیان

کتمانِ حق حرام ہے۔ کتمانِ حق کی اُجرت و کمائی بھی حرام ہے۔ خلافِ شرع اُجرت لے کر فتویٰ دینا ناجائز ہے۔ عذابِ الٰہی گناہگار مسلمان کے لیے ایسا ہے جیسے سونے کو پکانے سے اس کی کثافت معدوم ہو جاتی ہے اور سونا خالص نکل آتا ہے۔ یا لوہے کو آگ میں ڈالنے سے زنگ اور میل دور ہو کر صاف ہو جاتا ہے۔ عذابِ الٰہی سے مسلمانوں کے گناہوں کی کثافت بھی دور ہو جائے گی اور وہ پاک صاف ہو کر دوزخ سے نکل آئے گا۔ لیکن دوامی عذاب صرف کفار کے لیے ہی مخصوص ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدلے ہدایت کے گمراہی اور ثواب کی بجائے عذاب مول لیا

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ

سو ان کو آگ کی کس قدر سہار ہے یہ بات اس لیے ہے کہ اللہ ہی نے کتاب برحق نازل کی ہے

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ پرلے درجہ کی پھوٹ میں پڑے ہیں

تفسیر

چونکہ یہودی علماء کا جرم سخت تھا لہٰذا آیت مذمت کو مکرر بصورتِ عذاب بیان کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ بہت ہی سرکش و گمراہ ہے۔ انھوں نے فطری ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو حاصل کر لیا اور وہ مغفرتِ الٰہی جس کا یقینی وعدہ نیکوکاروں سے کیا گیا ہے اس کو ترک کر کے عذابِ الٰہی کو ترجیح دی اور مول لیا ایسے امور کو اختیار کیا جو ضلالت انگیز اور باعثِ عذاب تھے اور جو چیزیں ہدایت کی تھیں اور ان کی وجہ سے مغفرت یقینی تھی ان سے بے اعتنائی کی۔

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ - یہ اظہارِ تعجب کے طور پر کہا گیا ہے۔ یعنی انھوں نے جو اس قدر اسبابِ دوزخ کو اختیار کیا تو گویا قصداً دوزخ میں جانے کو پسند کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آتشِ جہنم کے برداشت کی بہت کافی طاقت ہے۔ جب تو اس قدر دلیری کے ساتھ انھوں نے اسبابِ جہنم کو اختیار کیا۔ تعجب ہے کہ ان کو عذابِ الٰہی کے برداشت کی کیسی طاقت ہے اور وہ کونسی قوت ہے کہ جس نے ان کو آتشِ دوزخ کے تحمل پر دلیر بنا دیا (سیوطی، ابوالبقا، مجاہد، حسن بصری) یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ آگ میں کس قدر صابر اور قائم ہیں (زجاج) یا دوزخیوں میں ایسے عمل کر لینے پر کس قدر جمے ہوئے ہیں (کسائی و قطرب)۔ یہی قول ابن عباس، سدی، عطاء اور ابو عبیدہ کا ہے۔ گویا نار سے اعمالِ اہلِ نار مراد ہیں اور صبر کے معنی جم جانے اور قائم رہنے کے ہیں۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ یعنی ان لوگوں کو عذابِ الٰہی کے برداشت کی طاقت تو واقع میں نہیں ہے اور نہ ان میں اس قدر دلیری ہے کہ آگ کے تحمل پر صبر کر سکیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو سفیہ و احمق بنا دیا ہے اور ان کو اپنی سفاہت اور حماقت کا احساس نہیں جو درحقیقت خود ایک عذاب ہے اور یہ عذاب صرف ٹوکو سیلے ہی نہیں اور نہ صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لیے ہے بلکہ

toobaafoundation.com

عذاب واقعی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے حقانیت وصداقت کی حامل کتاب نازل کی تھی اور انہوں نے اس کے بعض حصے چھپائے۔ تحریف و تغیر کیا اور باہم اختلاف کرنے لگے۔ کتاب سے قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی یہود نے قرآن کے وہ احکام تو تسلیم کر لیے جو ان کی توریت کے موافق تھے اور جو احکام مخالفِ توریت تھے ان کو نہ مانا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ یعنی خدا نے تو کتاب کو صداقت وحقانیت کا پیامبر بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن اختلاف کرنے والوں نے اس میں بیجا تاویلیں کیں۔ بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حق وہدایت سے بہت دور جا پڑے راہِ مستقیم کو چھوڑ کر ادھر ادھر پگڈنڈیوں پر مارے پھرنے لگے۔

مقصودِ بیان ہر ایک انسان کو فطری ہدایت حاصل ہے۔ لیکن بعض لوگ اس نورِ فطرت کو بجھا کر کسی گمراہی کی تاریکی میں جا پڑتے ہیں فطرتاً ہر انسان کے لیے مغفرتِ الٰہی اور سعادتِ ابدی موجود ہے لیکن بُرا ہو ہوا و ہوس اور شیطانی جذبات کا جو انسان کو عذاب میں ڈالتے ہیں۔ اسبابِ عذاب کا اختیار کرنا گویا دوزخ کو اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ سنکھیا کھا کر مرنا یقینی ہے۔ گناہ و کفر کر کے دوزخ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر خدا اپنی رحمت سے مسلمانوں کو معاف کر دے تو یہ اس کا احسان ہے۔ کتابِ الٰہی میں بیجا تاویلیں، دماغی اختراع اور ذہنی کاوش خواہش کو دخل دینا حرام ہے۔ تفسیر کتاب وہی ہے جس کا مدار نقل پر ہے۔ وغیرہ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

مشرق ومغرب کی طرف رُخ کرنے میں ہی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکی تو وہ ہے

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتاب پر اور انبیاء پر یقین رکھتا ہو اور باوجود

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

خواہشِ مال کے اس مال کو رشتہ داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں اور سائلوں اور بردوں

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

کے آزاد کرانے میں دیتا ہو اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھتا ہو اور زکوٰۃ دیتا ہو اور (نیک وہ ہیں جو) وعدہ کرنے کے بعد

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہوں اور قابلِ مدح حالت ان لوگوں کی ہے جو تنگی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کرتے

toobaafoundation.com

الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

ہیجا | یہ لوگ | سچے ہیں | اور یہی پرہیزگار | ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگوں نے جو مباح چیزوں کو از خود صرف رواجی پابندی کی وجہ سے حرام قرار دے کر ان سے اجتناب کرنے کو باعثِ ثواب خیال کر رکھا ہے تم ایسا نہ کرو بلکہ شریعت نے جس چیز کو حلال کر دیا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہاں اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے رسوم کو جو اصولِ مذہب نہیں ہیں اصولِ احسانات سمجھ رکھا ہے اور انہی کو باعثِ نجات خیال کرتے ہیں اور در حقیقت جو اصولِ نجات ہیں اور سعادتِ دارین کے بنیادی پتھر ہیں ان کی طرف نگاہِ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھتے رسم و رواج اور ظاہر پرستی پہ اپنے نفس کو پابند رکھنا اور اصولِ سعادت و نجات کو ترک کرنا نیکی نہیں ہے۔ کیونکہ نیکی اور سعادت کے اصول دو ہی ہو سکتے ہیں۔ (۱) عقائد و خیالات کی اصلاح (۲) اعمال و افعال اور اقوال کی درستگی۔ مؤخر الذکر شق میں حقوقِ الٰہی کی ادائگی، اقربا، احباب اور ماں کی حق شناسی، اخلاقِ فاضلہ اور ملکاتِ حسنہ کا حصول، دنیا میں عافیت و امن پھیلانے کی کوشش، یتیموں، مسکینوں، فقیروں اور مسافروں کی غمخواری، غلاموں کی ہمدردی اور ان کے آزاد کرنے کی سعی وغیرہ تمام امورِ حسنہ داخل ہیں۔ اس لیے صرف آباؤ اجداد کے رسموں کی پابندی کرنی اور بہرا فی لکیر کو پیٹنا موجبِ نجات نہیں ہو سکتا۔ بلکہ منزہ حیات اور روحِ زندگی کا دار و مدار صرف اصولِ ہدایت کی پابندی پر ہے۔ جو ان قوانینِ فطرت پر عمل پیرا ہوگا سعید ہوگا۔ اور جو ان نیچرل قواعد کی خلاف ورزی کرے گا شقاوت سے ہم آغوش ہونا پڑے گا۔ سب سے پہلے تصحیح عقائد اور اصلاحِ معلومات کو بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر نجات و حیاتِ ابدی کا مدار اسی پر ہے اس لیے سب سے اوّل اسی کے بیان کو واضح کیا گیا ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب کی طرف منہ پھیرنا ہی نیکی کی بات نہیں ہے اور نہ نیکی کا اس پر حصر ہے بلکہ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ نیکی در حقیقت اس شخص کی نیکی ہے جو خدا پر ایمان لاتا ہے۔ ذاتِ باری کو تمام کائنات کا مبدا سمجھتا ہے کُل عالم کی عنانِ ایجاد و تربیت اسی کے دستِ قدرت میں جانتا ہے۔ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں خیال کرتا۔ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور معاد پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ یقین رکھتا ہے کہ ایک روز یہ عالمِ ہستی فنا ہو جائے گا صرف ذاتِ محض باقی رہ جائے گی جس طرح جانبِ ابتدا میں بھی وہی خدائے واحد قدوس تھا اور اس کائناتِ آسمانی و زمینی کا کوئی ذرہ نہ تھا اسی طرح جانبِ انتہا میں بھی وہی وحدہٗ لاشریک رہ جائے گا۔ اور کل دنیا فنا ہو جائے گی اور پھر وہی واحدِ قہار سب لوگوں کو جزا سزا کے لیے پیدا فرمائے گا جس طرح پہلی بار اس نے دنیا کو پیدا کیا تھا جزا سزا حساب کتاب، جنت دوزخ وغیرہ کا وجود یقینی ہے وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ اور فرشتوں پر بھی وہ ایمان رکھتا ہے۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کا فرمان پذیر معصوم بندہ خیال کرتا ہے۔ ایک کو دوسرے کا دشمن نہیں جانتا خصوصاً حضرت جبرئیل کو حاملِ وحی سمجھتا ہے وَالْكِتٰبِ اور چونکہ ہدایتِ خلق کے لیے کتابِ الٰہی کی ضرورت ہے اس لیے ایمان رکھتا ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں حق ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں لوگوں کی ہدایت کے لیے مختلف انبیاء پر صحیفے اور کتابیں نازل کی تھیں اور سب کے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتابِ مبین یعنی قرآن کو نازل فرمایا اور چونکہ پیامِ الٰہی کے حامل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے نفوس قدسی صفات ہوں اور ہادی کمصدت۔ ان کے اندر کم ہو۔ آئینہ کی طرح ان کے دو رخ ہوں۔ ایک رخ مادّی اور دوسرا نورانی ہو۔ نورانی جہت سے فیضِ ربانی قبول کر کے عوام تک پہنچا سکیں۔

وَالنَّبِيّٖنَ اس لیے اس کا ایمان انبیاء پر بھی ہوتا ہے۔ وہ دل سے تصدیق کرتا ہے کہ خدا کے تمام فرستادے حق پر تھے۔ مخلوق کو گمراہی

toobaafoundation.com

سے نکال کر روشنی میں لانا چاہتے تھے۔ مخلوق کی ہدایت کے لیے آفتاب ارشاد تھے اور خود گناہوں سے معصوم تھے۔

اس سے آگے اعمال وافعال کی اصلاح وتصحیح کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى یعنی فقط اعمال وعقائد کی اصلاح ہی نہیں بلکہ اس کے اخلاق واعمال بھی درست ہوں۔ اقارب احباب سے ہمدردی کرتا ہو اگرچہ اس کو مال کی ضرورت ہو اور دلی رغبت ومیلان بھی مال کی طرف ہو لیکن غیروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتا ہو اور اسی جذبۂ ایثار کے ماتحت اقرباء کی پرورش اپنے مال سے کرتا ہو۔

وَالْيَتٰمٰى اور صرف اقرباہی کی غمخواری نہیں بلکہ غیروں کی موانست کا بھی کفیل ہو اور مفلوک الحال ستم زدہ بچوں کی کفالت کا بار اٹھاتا ہو جن کے باپ کا سایہ اُن کے سروں سے اُٹھ گیا ہو اور بیچارے شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے ہوں۔ روشِ پدر کی بجائے ان کو بستر خاک نصیب ہو اور آغوشِ مادر کے عوض خدا کے خاکی فرش کی گود۔ وَالْمَسٰكِيْنَ نیز ان باعزت غریبوں کی بھی پرورش کرتا ہو جو حیا کی وجہ سے نہ سوال کر سکتے ہیں۔ نہ خود ان کے پاس اس قدر مال ہے کہ اپنے عیال کو کھلا کر ان کی شکم سیری کر سکیں اور نہ عوام کو ان کی حالت پر اطلاع ہے کہ کوئی ان کی خبرگیری کر سکے۔ اس کے علاوہ وَابْنَ السَّبِيْلِ اُن خانہ بدوشوں کی بھی ہمدردی کرتا ہو جو اعزا واحباب سے دور غریب الوطن غیر ممالک میں سرگرداں پریشان پھرتے ہیں۔ نہ کوئی مونس، نہ غمخوار نہ ہمدم نہ ہمراز۔

وَالسَّآئِلِيْنَ اور ان سوال کرنے والوں کو بھی اپنے مال میں حصہ دار بناتا ہے جو اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔

وَفِی الرِّقَابِ اور آخر میں ان بندگانِ خدا کی آزادی کی بھی کوشش کرتا ہے اور حتی الامکان اُن غلاموں کی رہائی میں صرف مال سے دریغ نہیں کرتا جن کی عنانِ اختیار کسی بندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ غریبوں کو نہ اپنے نفس پر اختیار ہے نہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی پر۔ صبح سے شام تک عرق ریزی کرتے ہیں۔ لیکن شام کو صرف یہی نہیں کہ دن بھر کا کمایا ہوا مال اُن کے آقا کے مِلک میں داخل ہو جائے بلکہ انتہائی ذلت کے ساتھ ادات کو آقا کی پیش خدمتی کرنی پڑتی ہے۔ بیچاروں کی زندگی بہائم سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو حقوقِ مالی کا تذکرہ تھا اور حقوقِ مالی بھی وہ جو شریعت کے مقرر کردہ فرض یعنی زکوٰۃ سے خارج تھے۔ اس سے آگے فرائضِ بدنی اور زکوٰۃ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فرائضِ بدنی میں نماز جزو اعظم تھی اس لیے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ یعنی مخلوقِ خدا کی ہمدردی وغمخواری کرنے کے بعد وہ فرائضِ بدنی بھی ادا کرتا ہو، پابندی کے ساتھ پنجگانہ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ تعدیلِ ارکان ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتا ہو تاکہ روح کی روشنی، بدن کی صفائی اور تندرستی، صبر واستقامت کی توفیق اور اتحادِ ملی وقومی کا مظاہرہ ہو اور ان تمام مدارج کو طے کرنے کے بعد رضائے خالق اور قربِ الٰہی حاصل ہو جائے۔

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ گزشتہ حقوقِ مالی اگرچہ فرائضِ انسانی میں داخل تھے لیکن چونکہ شرعاً ان مصارف کی کوئی مقدار نہ تھی اس لیے یہاں زکوٰۃ کا ذکر کیا یعنی گزشتہ حقوق کی ادائیگی کے باوجود وہ زکوٰۃ مقررہ بھی ادا کرتا ہو اور تعمیل حکم الٰہی کو اپنا مخصوص مطمح نظر قرار دیتا ہو۔ صرف اسی خیال پر اکتفا نہیں کرتے کہ ہم حقوقِ مالی ادا کر چکے اب مزید صرف کی کیا ضرورت ہے۔

یعنی مذکورہ خصائل وصفات کے حاملین کے یہ اوصاف بھی ہوں کہ جو وعدہ وعہد کرتے ہوں اس کو پورا کرتے ہوں۔ کافروں سے ہوں یا مسلمانوں سے، دوستوں سے ہوں یا دشمنوں سے، عزیزوں سے ہوں یا غیروں سے۔ بہرحال اپنے وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ تجارتی لین دین، اقتصادی اور جنگی معاہدات، کفالت، صلح وجنگ کے معاہدے، صدق، امانت دیانت وغیرہ تمام اوصاف حمیدہ

toobaafoundation.com

اس کلمہ میں داخل ہیں۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ اور خصوصیت کے ساتھ صبر واستقامت کا مادہ ان میں انتہائی درجہ پر ہو۔ فقر و افلاس میں بھی صبر سے کام لیتے ہوں۔ افلاس کو چھپانے دست درازنہ کرنے اور شکر ادا کرنے کی طرف ہر وقت دھیان رکھتے ہوں۔

وَالضَّرَّآءِ اور مصیبت کے وقت بھی استقامت و ثبات کو ہاتھ سے نہیں کھوتے۔ جزع فزع نہیں کرتے۔ بڑی بڑی ناگہانی مصائب میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت بھی دلیری اور پائیداری سے کام لیتے ہیں۔ وطن و قوم کی حفاظت مذہب و ملت کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمن کے سامنے جمے رہتے ہیں۔ تلواروں کی چھاؤں سے پشت نہیں موڑتے۔ اپنی جان سے دریغ نہیں کرتے۔ اپنے خون کو اسلامی مقاصد کے مقابلہ میں عزیز نہیں سمجھتے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا یہی لوگ صادق الیقین ہیں۔ صدیقین کا مرتبہ انہی کو حاصل ہے۔ قوت نظریہ انہی کی مکمل اور روشن ہے۔ عقائد و خیالات انہی کے صحیح ہیں۔ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی متقی ہیں۔ اعمال و اقوال انہی کے صحیح ہیں۔ شرک و گناہ اور فساد فی الارض سے یہی طبقہ بچنے والا ہے۔ یہی زمین پر امن و عافیت پھیلانے کو کوشاں ہیں۔ انہی کی قوت عملیہ درست ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مذکورہ اوصاف رکھنے والوں کا نفس مزکّٰی نظری و عملی قوتیں صحیح اور عقائد و اعمال درست ہیں۔

مقصودِ بیان

ایمانِ کامل کی تعلیم یعنی اس بات پر ایمان لانے کی ہدایت کہ خدا واحد لاشریک قادرِ مطلق حکیم علیم موجد رازق اور معید ہے۔ کل کائنات کی عنان ایجاد و تربیت اسی کے ہاتھ میں ہے اور حیات و ممات کا وہی فاعل ہے۔ پھر دونوں نورانی مخلوق پر بھی ایمان ضروری ہے۔ ایک وہ طبقہ جو نور مجسم اور صفائے محض ہے۔ یعنی فرشتے۔ دوسرے وہ لوگ جن کا تعلق اس مادہ اور مادیت سے بھی ہے اور جنہوں نے اپنی مادی قوتوں کو روحانی قوت سے زیر کر لیا ہے یعنی گروہ انبیاء۔ اس کے علاوہ روزِ قیامت اور اس کے تمام تفصیلی مسائل پر بھی ایمان ضروری ہے اور قوانین الٰہی کی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی لازم ہے۔ اعزاء احباب دوست، دشمن، اپنا بیگانہ، یتیم مسکین، مسافر وغیرہ کی پرورش کا حکم بھی دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ دشمن سے بھی عدل کیا جائے۔ غلاموں کے آزاد کرانے، قیدیوں کو رہا کرانے اور قرضداروں کا قرض ادا کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ایفائے وعدہ، پابندی معاہدہ اور قول کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے۔ آخر میں صبر و استقلال، بلند حوصلگی، مصائب و امراض میں ثبات دشمنانِ دین کے مقابلہ میں پائیداری اور قائم رہنے کا بھی ارشاد ہے۔ نماز پر پابند رہنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی صراحت کی گئی ہے۔ گویا اصولِ سعادت و مساوات قوانینِ ترقی اور نجات کے قواعد کی مکمل طور پر تعلیم دی گئی ہے اور آباؤ اجداد کے رسوم کی کورانہ تقلید سے منع کیا گیا ہے جن کے اندر سوائے پوست کے مغز کا فقدان ہے۔

ہدایتِ خاص

یہ آیت ہم کو درس مساوات اور اتحادِ ملی و قومی کا سبق دیتی ہے۔ اس کے اندر نجات و ترقی کے بے بہا خزانے مخفی ہیں۔ کاش مسلمان اس کو اپنے لیے چراغِ ہدایت بنالیں تو اس طرح اقوامِ عالم کی نظروں میں ذلت اٹھانی نہ پڑے اور اسلام کی عالی شان مخالفینِ اسلام کی نظروں میں نمایاں ہو جائے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

مسلمانوں	تم پر	مقتولین کا	قصاص	لازم کر دیا	گیا ہے	آزاد کے بدلے آزاد

toobaafoundation.com

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ

اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اب اگر کسی کو اُس کے (مسلمان) بھائی کی طرف سے معاف کر دیا جائے

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تو دستور کے مطابق (دیت کا) مطالبہ اور خوش معاملگی سے اُس کو ادا کرنا چاہیے یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی کر دی گئی ہے اور اس

وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِی

کی رحمت ہے اب اگر اس کے بعد کوئی زیادتی کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب (موجود) ہے اے عقلمندو! حکم قصاص

الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم (خون ریزی سے) باز آجاؤ

تفسیر ابن کثیر نے تفسیر میں ذکر کیا ہے اور بغوی نے قتادہ اور مقاتل بن حیان کی روایت نقل کی ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے دو گروہ آباد تھے بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ دورِ اسلام سے قبل ان دونوں گروہوں میں جنگ ہوئی۔ بنو قریظہ مغلوب ہوئے اور اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ چونکہ بنو نضیر بنو قریظہ سے زیادہ شریف تھے اس لیے اگر کوئی نضیری کسی قریظہ والے کو قتل کر دیتا تو نضیری کو اس کے عوض قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ سو وسق کھجوریں دیت میں ادا کر دی جاتی تھیں اور اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو مار ڈالتا تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر اتفاقاً اس سے دیت بھی لی جاتی تو دوگنی یعنی دو سو وسق۔ خدا تعالیٰ نے اس تفریق کو مٹانے اور مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لیے آیت مذکورہ نازل کی۔

سعید بن جبیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ زمانۂ اسلام سے کچھ دنوں پہلے عرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں سخت لڑائی ہوئی۔ ایک قبیلہ دوسرے پر غالب آیا اور اوس نے دوسرے قبیلے کے بہت سے غلاموں اور عورتوں کو مار ڈالا۔ جب حضور اقدس صلعم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ جوق در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے لیکن پہلی لڑائی کے عوض لینے کا خیال دلوں میں جما ہوا تھا اور چونکہ شکست خوردہ قبیلہ عالی خاندان شمار ہوتا تھا اس لیے اس نے فاتح قبیلے سے کہا کہ ہم تو اپنے ہر مقتول غلام کے عوض تم میں سے آزاد شخص کو اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کریں گے اس وقت دل کو چین ہوگا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (صحیح قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم منسوخ ہے اور آیت مائدہ اس کی ناسخ ہے)۔ آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! مقتولین کے قتلِ عمد کا قصاص۔ اور قصاص میں مساوات و عدل کا لحاظ تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ قصاص فرض ہے خواہ کسی کو قتل کرے۔ مثلاً اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ اگر کوئی آزاد آدمی کسی دوسرے آزاد شخص کو قتل کر دے تو اسی قاتل کو قصاص میں قتل کرنا لازم ہے۔ قاتل کی شرافت، حسب و نسب، اور وجاہت و مالداری پر نظر نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ حریت میں قاتل و مقتول دونوں برابر ہیں اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیے کہ ایک کے عوض سینکڑوں غیر مجرموں کو قتل کر ڈالو اور غصہ میں آکر قاتل کے خاندان کو تباہ کر دو۔ نہ یہ بات مناسب ہے کہ مقتول کی وجاہت و شرافت کے لحاظ سے قاتل کو اور قاتل کے تمام طرفداروں کو مار ڈالو بلکہ عدل و مساوات کو ملحوظ رکھو۔ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

toobaafoundation.com

اور اگر کسی غلام نے دوسرے غلام کو قتل کر دیا ہو تو عوض میں اسی غلام کو قتل کرو۔ اس بات کا مطالبہ نہ کرو کہ ہم اس کے آقا کو بھی ماریں گے یا چند غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کریں گے۔ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی اور اگر عورت کسی عورت کو مار ڈالے تو قاتلہ عورت کو ہی قتل کرو اس کے شوہر، اولاد اور بھائی بندوں کو قتل نہ کرو اور نہ اس بات کی خواہش کرو کہ ہم مقتولہ کے عوض مقابل قوم کے مرد کو قتل کریں گے۔ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ اب اگر مقتول کے تمام وارث اپنے مسلمان بھائی کو یعنی قاتل کو قصاص معاف کر دیں یا بعض وارث معاف کر دیں اور بعض معاف نہ کریں۔ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ اور دیت ادا کرنی باہم طے ہو جائے تو سہولت اور حسنِ سلوک کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ قاتل کے وارث اگرچہ مفلس اور تنگدست ہوں، مگر فی الفور ادا کرنے کا تقاضا کیا جائے بلکہ مہلت دی جائے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیے کہ انتہائی زیادتی سے پیش آئیں یا خلافِ شریعت امور کا مطالبہ کریں۔ مثلاً قاتل سے کہیں کہ اپنی جورو، بیٹی یا بہن کو ہمارے حوالہ کر دو یا اپنی اولاد کو ہماری غلامی میں دے دو یا تو خود ہماری غلامی کو اختیار کرلے۔ اسی طرح قاتل پر بھی لازم ہے کہ مقتول کے وارثوں کے احسان کو فراموش نہ کرے جو معاوضہ طے پا گیا ہے اس کو بلا حیلہ وحجت ادا کر دے۔ اگر مہلت کا بھی مطالبہ کرے تو مدتِ وعدہ کے اندر ادا کر دے۔ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ یہ حکم دیت تمہارے لیے خدا کی طرف سے سہولت کی وجہ سے ہے اور اس کی رحمت ہے ورنہ قصاص ہی فرض رہتا اور دیت کافی نہ ہوتی۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ تا اَلِيْمٌ اب جو شخص اس قرارداد کے بعد پھر زیادتی کرے گا۔ دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو مار ڈالے گا یا اقرار ادا کے بعد ادا نہ کرے گا تو اس کے واسطے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے اور دین میں بھی۔ دنیا میں اس سے قصاص لیا جائے گا اور آخرت میں جہنم میں جائے گا۔

ہدایتِ خاص آیت مذکورہ میں جو آزاد کے مقابل آزاد کو، غلام کے مقابل غلام کو اور عورت کے مقابل عورت کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ عورت کے مقابل مرد کو یا غلام کے مقابل آزاد کو قتل نہ کیا جائیگا کیونکہ اول تو یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ جس طرح ہم نے اوپر بیان کر دیا۔ دوسرے عورت اور غلام کا تذکرہ بطور تمثیل کے ہے۔ تیسرے یہ کہ اہلِ عرب آزاد مرد کے مقتول ہونے کا تو قصاص لیتے ہی تھے خواہ اس کا قاتل کوئی ہو۔ غلام ہو، عورت ہو یا آزاد مرد ہو صرف معاوضہ اور قصاص لینے میں زیادتی سے کام لیتے تھے۔ باقی مقتول عورت یا مقتول غلام کا قصاص نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کی تردید آیت میں ہو گئی۔ اس کے علاوہ شانِ نزول میں بیان کر دیا گیا ہے کہ بنو قریظہ یا کسی دوسرے مغلوب قبیلہ نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم اپنے مقتول غلام کے عوض آزاد شخص کو قتل کریں گے اور مقتول عورت کے عوض مرد کو ماریں گے۔ چونکہ یہ حکم و قول ظلم آمیز اور خلافِ انصاف تھا کہ کوئی بھرے کوئی۔ اس لیے آیت میں اس کا رد کر دیا گیا مقصود در حقیقت مساوات کا درس دینا ہے۔ یہ مدعا نہیں ہے کہ عورت کا قاتل مرد یا غلام کا قاتل حُر ہو تو قصاص نہ لیا جائے۔

ہدایتِ خاص ۲ گزشتہ امتوں پر قصاص لینا اور مار ڈالنا ہی واجب تھا لیکن مسلمانوں کے لیے یہ سہولت ہو گئی کہ اگر مقتول کے ولدت قصاص معاف کر کے مال لینے پر راضی ہو جائیں تب بھی جائز ہے۔ اسی کی طرف لفظ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ مطلب یہ ہے کہ اے دانشمند انسانو! تمہارے لیے قصاص میں ایک عظیم الشان زندگی مضمر ہے۔ رسم قصاص اور مساوات نہ ہونے سے ایامِ جاہلیت کی سفاکی اور خاندانوں کے ہزاروں افراد کا تہِ تیغ ہونا جاتا رہے گا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ جب قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا تو قانونِ عدل کے خوف سے کوئی کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہ کرے گا جس کے نتیجے میں اس شخص کی جان بھی بچ جائے گی جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جاتا اور ارادہ کرنے والے کی جان بھی محفوظ رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ قانون

toobaafoundation.com

قصاص کے اندر سوشل اور معاشرتی اصلاح و حیات مضمر ہے۔

تنبیہ قصاص لینے کا حق حاکم کو ہے یہاں مطالبہ قصاص کا حق مقتول کے وارثوں کو ہے۔ قصاص کے واسطے قتل عمد ضروری ہے قتل خطا یا شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہے جس کی تعداد سو اونٹ یا دس ہزار درہم ہے۔

مقصود بیان عرب کی دیرینہ صد ہا سالہ خانہ جنگیوں کا خاتمہ سفاکیوں کی خونریزیوں کی انسداد قتال و جدال کی بندش، مساوات انسانی کا درس، زمین پر امن و اصلاح کا اعلان، معاشرتی اصلاح، کینہ توزیوں کی بیخ کنی، اس بات کی طرف اشارہ کہ قاتل نے اگرچہ مقتول کو قتل کر دیا ہے۔ پھر بھی مقتول کے وارثوں کا وہ مسلمان بھائی ہے۔ اس لیے حتی الامکان اس کو معاف کر دینا چاہیئے۔ اس لفظ اخیہ سے ایثار، رحم اور عفو کے جذبات کو حرکت دینی مقصود ہے۔ عدل اور انصاف کی طرف بھی آیت میں ہدایت کی گئی ہے۔ زیادتی کرنے والے کو سزا کا خوف دلایا گیا ہے اور بالآخر لفظ یا اولی الالباب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ذرا عقل سے سوچنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ قانون قصاص اور مساوات عوض کس قدر منافع سے لبریز ہے۔ اگر قانون قصاص نافذ نہ کیا جاتا تو کس قدر مفاسد و بربادیاں دنیا میں پھیل جاتیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ

تم پر لازم کیا جاتا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کے مرنے کا وقت آجائے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَن

کے لیے بمناسبت وصیت کر جائے خدا سے ڈرنے والوں پر یہ حکم لازم ہے پھر اگر سننے کے

بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

بعد بھی کوئی اس وصیت میں تبدل تغیر کرے گا تو تبدیل کا گناہ صرف تبدیل کرنے والے پر ہوگا بیشک اللہ خوب

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ

سنتا اور جانتا ہے لیکن اگر کسی کو وصیت کنندہ کی طرف سے طرفداری یا بے انصافی کا اندیشہ ہو اور وہ سب کے آپس

بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

میں صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ میت کے کل مال کا وارث صرف بیٹا ہوتا تھا ماں باپ اور دیگر اعزا و اقارب سب محروم ہوتے تھے اس آیت میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر اعزاء کو کل ترکہ کی تہائی مال میں وصیت کرنی فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

toobaafoundation.com

نے بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس پر تین راتیں گزریں اور اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین)، لیکن اس آیت کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور تمام وارثوں کے حصے علیحدہ علیحدہ مقرر کر دیئے گئے تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا (سیوطی)۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا گیا۔ اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے (صحیحین)۔ ان جو اہل قرابت محروم الارث ہو جائیں یا شرعاً ان کا کوئی حق ہی مقرر نہ کیا گیا ہو تو ان کے حق میں آیت کا حکم باقی ہے لیکن حکم وجوبی نہیں ہے بلکہ تہائی مال میں سے وصیت کرنے کا اختیار ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر علامات موت ظاہر ہو جائیں اور خیال ہو جائے کہ اب انتقال ہو جائے گا خواہ بعد کو انتقال نہ ہو بلکہ تندرستی ہو جائے اور مالِ کثیر بھی ترکہ میں باقی چھوڑے۔ یعنی ادائے قرض اور تجہیز و تکفین کے بعد مالِ کثیر رہ جانے کا بھی خیال ہو تو ایسی صورت میں (تہائی مال میں) وصیت کرنی فرض ہے۔ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ اور یہ وصیت کرنی والدین اور دیگر اقارب کے واسطے ہے لیکن دستور کے موافق ہونی چاہیئں۔ یہ نہیں کہ کل مال یا نصف مال وصیت میں دیدے بلکہ تہائی مال میں وصیت کرنی چاہیئے اور ایسا بھی نہ کرنا چاہیئے کہ کسی دولت مند کی رعایت سے اس کو زیادہ مال کی وصیت کرے۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ یہ حکم وصیت مسلمانوں پر حق لازم کر دیا گیا اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ ہاں اب جو شخص مال پر قبضہ کرنے کے بعد یا گواہ اور وصیت پر اطلاع پانے کے بعد اصل وصیت کے مفہوم کو پوشیدہ کرے گا اور اس کو بدل کر ظاہر کرے گا۔ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ تو اس تبدیلہ تحریف کا گناہ بدلنے والے کی گردن پر ہوگا۔ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ خدا تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ وصیت کرنے والے کی وصیت کو بھی سنتا اور جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیل کو بھی۔ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ہاں اگر کسی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا اور کسی موصیٰ لہ کی طرف زیادہ مائل ہو جائے گا یا موصی نے وصیت خلافِ انصاف کی اور اس کے مرنے کے بعد جھگڑا پیدا ہو گیا اور کسی شخص نے وصیت میں کچھ زیادتی کر کے وارثوں میں باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل تغیر میں اصلاح کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ اس کی نیت اچھی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اگر اس اصلاح کی کوشش میں کچھ خلافِ وصیت اس سے بات ہو جائے تو اس کی گرفت نہ ہوگی۔ خدا معاف کرنے والا ہے۔

تنبیہ کتنے مال کی موجودگی میں وصیت واجب تھی اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیرؓ، ابوالعالیہ، عطیہ، ضحاک، سدی، ربیع، مقاتل، قتادہ اور زہری وغیرہ کے نزدیک مال کی کوئی مخصوص مقدار نہ تھی۔ بلکہ ادائے قرض اور ضروری مصارف کے بعد بقیہ مال میں وصیت واجب تھی۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک کثرتِ مال لازم جس کی تعیین مقدار کے لیے ہزار دینار یا پانچ سو دینار یا سات سو دینار مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ اس کی تعیین عرف پر موقوف ہے کوئی مقدار مخصوص نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک وصیت کے لیے مالِ کثیر کا باقی رہنا ضروری تھا۔

مقصود بیان صلہ رحمی اور کنبہ پروری کی تعلیم، تمام رشتہ داروں کی مساوات اور انصاف کرنے کی ہدایت۔ کسی ایک کی حق تلفی اور دوسرے کی طرف میلان خاطر رکھنے کی ممانعت۔ نیت کی اصلاح کی اجازت وغیرہ۔

toobaafoundation.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ

مسلمانو! تم پر روزے ایسے ہی فرض کردئیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

فرض کردئیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (روزوں کی فرضیت) گنتی کے چند دن ہیں ہاں تم میں سے جو شخص بیمار

مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں گن کر رکھ لے اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ

تو وہ (ہر روزہ کے) بدلے میں ایک مسکین کو کھانا دیدیں اور جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو یہ اُس کے لیے اور بھی اچھا ہے اور اگر تم

تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

سمجھدار ہو تو (سمجھ لو کہ) روزہ رکھنا (فدیہ دینے سے) اچھا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں قصاص کا حکم دیا گیا تھا جو حیاتِ دنیوی کا موجب ہے۔ اب روزہ رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیونکہ روزہ حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے۔ روزہ سے انسان کی مادی قوتیں کمزور ہوجاتی ہیں اور روحانی قوت غالب آجاتی ہے جس کی وجہ سے دل میں قدرِ مادہ سے تجرد اور کثافتِ جسمانی سے پاکیزگی پیدا ہوجاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روزہ دار کی روح کو اس خاکی جسم کو چھوڑنے کے بعد حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں روزہ رکھنا تم پر فرض کر دیا گیا ہے۔ تمہارے واسطے لازم ہے کہ دن بھر کھانے پینے اور لذتِ جنسی حاصل کرنے سے صرف رضا جوئی خالق کی نیت سے رکے رہو۔ یہ بھی مناسب ہے تمہارے شہوانی اور غضبی قوتوں کے جس قدر ناجائز اقتضائیات ہیں اُن سے بھی کنارہ کش رہو۔ جھوٹ، غیبت، افترا، ایذارسانی، چوری، قمار بازی، غصہ، غضب، انتقام، فحش گوئی وغیرہ سے پرہیز رکھو۔ ذکر و فکر میں اپنے نفس کو روکے رکھو اور یہ روزہ کی فرضیت صرف تم پر ہی نہیں ہوئی بلکہ تم سے قبل جتنی اُمتیں گزری ہیں سب پر روزہ فرض تھا۔ یہ الفاظ تاکیدِ حکم اور لوگوں کو ترغیب دینے اور نفسِ انسانی کو روزہ سے مانوس کرنے کے لیے کہے گئے ہیں۔ تاکہ لوگ روزہ رکھنے کی کوشش کریں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تم کو روزہ کا حکم صرف اس لیے دیا گیا کہ تم متقی بن جاؤ، تمہارے نفسانی خواہشات کا زور ٹوٹ جائے۔ دل کا تزکیہ اور قلب کی طہارت ہوجائے شیطان کے راستے مسدود ہوجائیں۔ اور تم گناہ سے محفوظ رہ سکو۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ روزہ تم کو رکھنا پڑے گا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ روزہ رکھنے کا حکم چند معدود دنوں کے واسطے ہے۔ بس چند مقررہ ایام میں روزہ رکھنا اور باقی سال میں بے روزہ رہنا۔ پورے سال بھر روزہ رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ فقط رمضان کے روزے

رکھنے کافی ہیں۔ لیکن اس میں یہ سہولت ہے کہ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ تم میں سے اگر کوئی بیار ہو روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جاتا ہو یا مسافر ہو تو رمضان کے روزے نہ رکھے بلکہ اتنے ہی دن دوسرے اوقات میں روزے رکھ لے۔ مریض تندرست ہو جائے تو رکھ لے اور مسافر اپنے گھر آ جائے تو اس فرض کو ادا کرلے اور اس سے بڑھ کر سہولت یہ ہے کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ کہ جو شخص ناطاقت ہو زیادہ کمزور اور بوڑھا ہو یا امیر و دولتمند ہو کر روزہ رکھنے سے مشقت اٹھانی پڑتی ہو تو روزہ رکھنا لازم نہیں بلکہ ایک فقیر کو دو وقت کھلا دے۔ یہ اس کے روزے کا بدلہ ہو جائے گا۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ لیکن اگر کوئی دولتمند اپنی طرف سے نیکی کرے۔ خود روزہ بھی رکھ لے اور مسکین کے کھانے سے زیادہ دیدے تو اور بہتر ہے مگر وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ روزہ رکھنا تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ اگر تم کو اس کی فضیلت خوبی اور فوائد جسمانی روحانی کا علم ہو جائے تو تم ضرور روزہ ہی کو پسند کرو گے لہٰذا روزہ ہی رکھنا چاہیے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ

وہ ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت

مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ

اور امتیاز حق و باطل کے صاف صاف حکم موجود ہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص (حالت اقامت و صحت میں) اس مہینہ کو پائے تو اس کے

كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ

روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں میں (اس کی بجائے) گن کر رکھ لے اللہ تم پر نرمی کرنا چاہتا

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى

سختی کرنی نہیں چاہتا قضا روزوں کے شمار کا حکم اس لیے ہے کہ تم تعداد پوری کر لو اور اس بات پر خدا کی عظمت

مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور اس لیے تاکہ تم احسان مانو

تفسیر یہ آیت بربنا ئے جمہور گزشتہ آیت کی ناسخ ہے۔ پہلی آیت میں امراء وغیرہ کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہاں اس تخییر کے حکم کو باطل کیا گیا اور چونکہ پہلے مبہم طور پر اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کہا تھا یہاں اس کی وضاحت کردی۔ حضرت معاذ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی قول حسن بصری، سدی اور حضرت ابن عمر وغیرہ کا ہے بیضاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے

toobaafoundation.com

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ ایام معدودہ سے مراد رمضان ہے اور ماہِ رمضان کے روزوں کے لیے اس لیے خصوصیت دی گئی کہ اسی ماہ میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے راہِ راست دکھانے والا اور حق و باطل میں تفریق و تمیز کرنے کے لیے کھلی کھلی علامات اور واضح دلائل کا حامل ہے۔ یہ شرافت ماہِ رمضان کو ہی حاصل ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ لہٰذا جو شخص رمضان کے مہینہ کو پائے اُس پر پورے رمضان کے روزے رکھنے لازم ہیں۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ہاں جو شخص مریض ہو روزہ رکھنے سے مجبور ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے زمانہ میں اتنی ہی گنتی پوری کرلے۔ علاوہ بوڑھا جس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں اس کا حکم پہلے بیان کردیا گیا اور وہی باقی رہا۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ یہ احکام میں نرمی صرف اس وجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ تم کو مشقت و دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا ہے بلکہ تمہاری سہولت و آسانی اس کو مقصود ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ یعنی مرض یا سفر کی وجہ سے جو روزے قضا ہوگئے ہوں ان کی تعداد کو محفوظ رکھو تاکہ اسی شمار کے موافق قضا روزے رکھ سکو اور قضا شدہ روزوں کی تعداد پوری کرسکو۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ یعنی خدا تعالیٰ نے قضا کا حکم تم کو دیا اور سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ ترک کرنے کی اجازت دیدی اور پھر اسی تعداد کے موافق قضا روزے رکھنے کا قاعدہ تم کو بتادیا تاکہ تم خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو اور اس کی عظمت و ربوبیت کا اقرار کرو۔ ابن مسعودؓ تکبیر میں یہ الفاظ کہتے تھے۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ روزہ داروں پر حق ہے جب ماہِ شوال کو دیکھیں تو تکبیر کہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی خدا تعالیٰ نے روزہ کے قانون میں تمہارے لیے سہولت اس لیے رکھی ہے کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور زبان ارکان اور دل سے اس کی ستائش کرو۔ زبان کو اس کی تعریف میں مشغول رکھو۔ اعضاء سے اس کی اطاعت و فرمان پذیری کرو اور دل سے اس کی تصدیق کرو۔

کل آیات کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں ہر ماہ تین دن یعنی ایام بیض کا روزہ رکھنا فرض تھا۔ نیز عاشورہ کا روزہ بھی ہر سال لازم تھا اس کے بعد رمضان کے روزے فرض ہوئے اور جو روزے پہلے فرض تھے بعد کو سُنّت رہ گئے۔ لیکن اس میں بھی آسانی رکھی گئی تھی کہ مقدور والے اگر رمضان میں روزے نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض ایک محتاج کا پیٹ بھردیں تو یہ بھی کافی ہوسکتا تھا لیکن پھر بھی روزہ رکھنا مناسب تھا۔ کیونکہ روزہ رکھنے کی فضیلت روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لیے اگر باوجود فدیہ دینے کے روزہ بھی رکھ لیا تو روزہ فرضیت سے بری کردیتا تھا اور فدیہ نفل بن کر موجب ازدیادِ ثواب ہوجاتا تھا۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ آیت اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ نازل ہونے پر مسلمانوں کو اختیار رہا جس نے چاہا روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا فدیہ دے دیا۔ لیکن جب آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو گذشتہ حکم منسوخ ہوگیا اب غریب امیر سب کو رمضان کے سارے روزے رکھنے فرض ہیں۔ البتہ مسافر اور مریض کو اب بھی اجازت ہے کہ اگر وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں تو بعد میں اس کی قضا کرلیں۔ ہاں جو شخص بہت بوڑھا یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں تو اس کے لیے فی روزہ ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کا حکم اب بھی قائم ہے۔

مقصودِ بیان

فرضیت روزہ کا عمومی حکم، خواہ دولتمند ہو یا نادار، امیر ہو یا مفلس، بادشاہ ہو یا فقیر سب پر یہ حکم ناطق مساویانہ طور پر لازم ہے۔ اس سے اسلامی احکام کی مساوات پسندی اور تعادل کا پتہ چلتا ہے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف لطیف اشارہ، مادی قوتوں کے زور توڑنے کی طرف نادر تلمیح، روزہ تمام الہامی شریعتوں کا جزو لازم ہے۔ اس کی صراحت کرکے مسلمانوں

toobaafoundation.com

کے لیے تسکین خاطر اور طمانیت قلبی کے مواد کی فراہمی۔ رمضان کی حرمت برکت اور کرامت کا اظہار قرآن کی عظمت اور رحمت کی تصریح اور اس بات کا ضمناً بیان کہ قرآن حق و باطل میں تفرقہ کرنے والا، بھولے ہوؤں کو راہ راست دکھانے والا ہے۔ اس کے اندر حقیقت بین نظر رکھنے والوں کے لیے وہ واضح دلائل اور کھلے معجزات و نشانات ہیں، جو بصیرت کوش اور ہدایت طلب لوگوں کے لیے چراغ راہ بن سکتے ہیں۔ حمد و شکر اور اظہار عظمت الٰہی کا حکم وغیرہ۔

ضروری ہدایت

اول تمام قرآن لوح محفوظ سے نقل ہو کر ۲۴ رمضان کو پہلے آسمان پر نازل ہو گیا تھا پھر تئیس ۲۳ سال میں بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا اُترتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ پر پہلی رمضان کو صحیفے اُترے تھے اور موسیٰ پر توریت ۶ رمضان کو نازل ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل ۱۳ رمضان کو اتری۔ حضرت داؤدؑ پر زبور ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی باقی دیگر انبیاء پر بھی صحیفے ایک دفعہ ہی نازل ہوئے تھے مگر قرآن پاک کو دونوں فضیلتیں مرحمت ہوئیں۔ یعنی ایک دفعہ آسمان دنیا پر بھیجا اور تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوتا رہا۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۭ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ

اور جب تم سے میرے بندے میری بات پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں قریب ہی ہوں دعا کرنے والا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں لہٰذا

وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

مناسب ہے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ سیدھی راہ پر آجائیں

تفسیر

اس کے شان نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن حیدہ قشیری سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلعم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارا پروردگار کیا ہمارے پاس ہی ہے کہ ہم آہستہ دعا مانگیں یا دور ہے کہ پکار پکار کر دعا کریں؟ حضور یہ سن کر خاموش ہو گئے اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم و ابن جریر و ابن مردویہ و ابو الشیخ الاصبہانی)۔

جامع الاصول کی روایت ہے جو حضرت نعمان بن بشیر کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور والا نے ایک دفعہ فرمایا دعا کرنی عبادت ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ۭ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ - صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہمارا رب کیا قریب ہے؟ کہ اس سے آہستہ سے دعا کریں یا دور ہے کہ پکار پکار کر مانگیں اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی (اخرجہ رزین)

عطاء کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وقت دعا کرنی بہتر ہے؟ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

شیخین کی روایت میں ہے کہ کسی جہاد پر حضور اقدسؐ مع صحابہ کے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی میں لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کرنی شروع کی۔ حضورؐ نے فرمایا لوگو! تمہارا رب نہ بہرا ہے نہ دور ہے۔ اس وقت آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی اور حضورؐ کے کلام کی تصدیق ہو گئی (صحیحین)۔ بہرحال شان نزول کچھ بھی ہو آیت کا مطلب یہ ہے کہ میرے بندے اگر آپ سے دریافت کریں کہ ہمارا رب قریب ہے یا دور تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے قریب ہی ہوں۔ میری رحمت قدرت اور علم ان سے نزدیک ہی ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ دعا کرنے والے جب اور جس وقت مجھ سے (بخلوص قلب) دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعا قبول کرتا ہوں۔ دعا کے لیے کوئی خاص وقت ضروری نہیں کہ کسی مقررہ وقت دعا کی جائے تو میں قبول کروں اور اس مخصوص وقت کے علاوہ کی جائے تو نہ قبول کروں۔ پھر جب میری رحمت اتنی وسیع ہے کہ میں ہر وقت

toobaafoundation.com

دعا کی شنوائی کرتا ہوں۔ کسی وقت میرا بابِ رحمت بند نہیں۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي تو میرے بندوں پر بھی لازم ہے کہ میری اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ میرے احکام کی تعمیل کریں اور مجھے وحدہٗ لاشریک عالم قادر مجیب الدعوات خلاقِ عالم جانیں لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ تاکہ میرے بابِ رحمت تک اُن کی رسائی ہو سکے اور اصل مدعا یعنی قربِ خدا حاصل ہو جائے۔

مقصودِ بیان ہر وقت صبح ہو یا شام، آدھی رات کا وقت ہو یا دوپہر کا بہر صورت اور بہر حال دعا قبول ہوتی ہے۔ لیکن شرائطِ دعا کا التزام ضروری ہے۔ یعنی خلوصِ دل، شریعتِ الٰہی کی پابندی اور ایمانِ صحیح۔ ان شرائط کی موجودگی میں آدمی ہمیشہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ کیونکہ وعدۂ الٰہی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کبھی کبھی شرائطِ مذکورہ کی عدم موجودگی میں بھی صرف خلوصِ دل کی وجہ سے دعا قبول ہو جاتی ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح اور شریعتِ اسلامی کی پابندی ہی معرفتِ الٰہی کا زینہ ہے۔ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کے باوجود عرفان اور خلوص کے مدعی ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیبیوں سے قربت کرنی حلال کر دی گئی ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ

ہو اللہ کو علم ہوا کہ تم چوری سے اپنا نقصان کرتے تھے اس لئے اس نے عنایت فرمائی اور تمہاری خطا سے درگزر کی لہٰذا اب

بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

تم اُن سے قربت کرو اور اُس (اولاد) کی طلب کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور کھاتے پیتے رہو تا وقتیکہ فجر کی سفید دھاری (رات کی)

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ

سیاہ دھاری سے ممتاز ہونے لگے پھر روزے کو رات تک پورا کرو اور جب مسجدوں

وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ

میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو عورتوں سے ہم بستری نہ کرو یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○

اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں

تفسیر یہ آیات احکامِ صیام کا تتمہ اور ضمیمہ ہیں۔ علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزہ دار کے لئے کھانا پینا اور منافعِ جنسی سے بہرہ اندوز ہونا عشاء کی نماز پڑھنے اور سونے سے قبل جائز تھا لیکن عشاء کی نماز پڑھنے اور سو جانے سے یہ چیزیں ممنوع قرار پاتی تھیں۔ چنانچہ ابو صرمہ صحابی کا ایک قصہ اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابو صرمہ دن بھر کام کرنے کے بعد شام کو

toobaafoundation.com

تھکے ماندے گھر میں آئے۔ روزہ افطار کرنے کے بعد بیوی سے کھانا طلب کیا۔ چونکہ کھانا موجود نہ تھا اس لئے بیوی کہیں سے لینے گئی۔ کھانے کے آنے میں دیر ہوگئی اور یہ سوگئے۔ کچھ دیر کے بعد بیوی نے آکر بیدار کیا لیکن چونکہ خواب کے بعد بیدار ہوکر کھانا ممنوع تھا اس لئے انھوں نے نہ کھایا اور روزہ پر دوسرا روزہ رکھ لیا۔ دوسرے روز بہت کمزوری ہوگئی اور حضور والا کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اسی طرح دیگر واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیر تک خدمت حضورؐ میں حاضر رہنے کے بعد رات گئے گھر میں آئے اور بیوی سے قربت کا ارادہ کیا۔ بیوی نے عذر کیا کہ میں سو گئی تھی۔ لیکن جذبات سے مجبور ہوکر حضرت عمرؓ متمتع اندوز ہوگئے۔ اسی طرح حضرت کعبؓ سے بھی حرکت سرزد ہوگئی۔ صبح کو فاروق اعظم روتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں صبح صادق تک کھانے پینے اور دیگر اقتضائیات نفس پورے کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ خواہ نماز عشاء کے بعد یا قبل اسی طرح سو کر اٹھنے کے بعد ہو یا سونے سے پہلے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ کی شب میں بیوی سے قربت حلال کر دی گئی ہے۔ کیونکہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا۔ مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں سے طبعی رغبت ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کے لئے پردہ پوش ہوتی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے۔ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ یعنی خدا کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور پر ملا کرتے تھے اور خود اپنا نقصان کرتے تھے۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ خیر خدا نے تم پر عنایت کی اور تمہاری گزشتہ غلطیوں سے درگزر فرمائی۔ یہاں تک تو پہلے قانون کا نسخ تھا اس سے آگے ممنوعات سابقہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ لیکن اب تم عورتوں سے قربت کر سکتے ہو۔ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ لیکن اس قربت میں تم کو اس چیز کی ضرور طلب مدنظر ہونی چاہیئے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دی اور لکھ دی ہے۔ مراد یہ ہے کہ صرف خواہش نفسانی پورا کرنا اور تمتع جنسی حاصل کرنے کے لئے ہی عورتوں سے قربت نہ کرو بلکہ جماع سے اصل مقصود طلب اولاد ہونی چاہیئے۔ ابو ہریرہ، ابن عباس، انس، شریح، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور بعض دیگر صحابہ و تابعین سے یہی تفسیر مروی ہے۔ بعض لوگوں نے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جو چیز خدا نے تمہارے لئے مباح کر دی ہے اسی کا قصد کرو یعنی خلاف محل کی خواہش نہ کرو۔ ابن جریر کے نزدیک عام مفہوم مراد لینا صحیح ہے۔ یہاں تک تو حلت جماع کا بیان تھا، آگے کھانے پینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح صادق کا سفید ڈورا رات کے سیاہ ڈورے سے نمودار نہ ہو جائے۔ یعنی افطار کے بعد سے صبح صادق تک کھاؤ پیو۔ شروع میں اس آیت کے آخر میں لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل نہ ہوا تھا اس لیے بعض صحابہ کو غلط فہمی ہوئی اور وہ سیاہ سفید ڈورے سے یہی معمولی سیاہ سفید تاگے سمجھ گئے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ من الفجر نازل نہ ہوا تھا اور بعض لوگ جب روزہ کا ارادہ کرتے تو دونوں پاؤں کے درمیان سفید و سیاہ تاگے باندھ لیتے اور جب تک سفید و سیاہ تاگوں میں رنگ کا امتیاز نظر نہ آتا برابر کھاتے پیتے رہتے۔ آخر میں جب لفظ من الفجر نازل ہوا تو لوگ سمجھے کہ سفید و سیاہ تاگوں سے دن اور رات مراد ہیں (بخاری) امام احمد نے حضرت عدی بن حاتم کی ایک روایت نقل کی ہے۔ عدی کہتے ہیں کہ جب آیت حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوئی تو میں نے دو ڈورے ایک سفید دوسرا سیاہ تکیے کے نیچے رکھ لئے۔ پھر میں نے ان کو دیکھنا شروع کیا۔ جب مجھے ان کی سیاہی اور سفیدی کا امتیاز ہوگیا تو اس وقت میں نے کھانا پینا ترک کیا۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور کیفیت واقعہ عرض کی۔ فرمایا کیا تم نے ایسا کر لیا تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے (کہ اتنے بڑے دن و رات تکیہ کے نیچے آگئے) اس سے مراد یہ ہے کہ رات کی سیاہی اور تاریکی سے صبح کی روشنی نمودار ہو جائے (تو اس وقت کھانا پینا چھوڑ دو) (صحیحین)۔

فائدہ:۔ آیت سے سحری کھانے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ کھانے پینے کی اجازت سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک دی گئی ہے اور سحری کھانے میں بھی بالکل آخری وقت کھانے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی اجازت و رخصت سے فائدہ اٹھانا مستحب ہے۔

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ یہ روزے کی انتہا کا بیان ہے۔ جب سپیدۂ صبح نمودار ہو تو کھانا پینا ترک کرو اور روزہ رکھ لو پھر روزہ کو شام تک

toobaafoundation.com

قائم رکھو۔ جوں ہی شام ہو جائے یعنی آفتاب غروب ہو جائے تو روزہ پورا ہو گیا افطار کر لو۔

فائدہ:۔ اس آیت سے ۔ تہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انتہائے روزہ کی حد ابتدائے شب کو قرار دیا ہے۔ آیت سے افطار میں جلدی کرنے کا بھی استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ رخصت الٰہی سے فائدہ اندوز ہونا مستحب ہے۔

مقصود بیان

قانون صیام میں لوگوں کے واسطے سہولت مہیا کرنی اس بات کی تصریح ہے کہ روزہ سے مقصود کسر شہوت ہے نہ کہ شہوت کشی۔ روزہ کی راتوں میں جماع جائز ہے۔ روزہ کی مقدار صبح صادق سے لے کر ابتدائے شب تک ہے۔ شب کو روزہ جائز نہیں۔ آخری وقت سحری کھانی مستحب ہے۔ افطار میں جلدی کرنی بہتر ہے۔ صوم وصال منع ہے۔ عورتیں مردوں کی پردہ پوش ہیں اور مرد عورتوں کے۔ عورتیں اور مرد صنفی میلان میں برابر ہیں۔ خلافِ محل قربت حرام ہے۔ قربت سے مقصود اولاد ہونی چاہیئے۔ جو اختلاط صنفی کا محل ہے محض شہوت رانی اور نفسانی اقتضاء کا پورا کرنا مقصود نہ ہونا چاہیئے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ لوگ حالت اعتکاف میں مسجد سے نکل کر اپنی بیویوں سے قربت کر لیا کرتے تھے تو آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بحالت اعتکاف قربت سے ممانعت کر دی گئی۔ مطلب یہ کہ جب تم مسجدوں کے اندر گوشہ نشین ہو گئے ہو تو اس زمانہ میں عورتوں سے جماع نہ کرو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کی دو شرطیں ہیں (۱) ایک دن کامل کم از کم بیٹھنا (۲) مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا۔ شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں باتیں شرط نہیں ہیں بلکہ افضل ہیں۔ اعتکاف کے یہ معنی ہیں کہ تقرب الٰہی کی نیت سے مسجد میں چند روز یا چند ساعت یا جس قدر ہو سکے گوشہ نشینی اختیار کر لیا جائے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ یہ خدا کی قائم کردہ حدیں اور اسی کے مقرر کردہ قوانین ہیں تم ان کے مرتکب نہ ہو سارتکاب تو کیا معنی ان کے پاس بھی نہ جاؤ (یعنی تم کو ان کے اسرار معلوم نہیں۔ ان کی ابتداء تو عبودیت سے ہوتی ہے اور انتہا ربوبیت پر۔ خدا تعالیٰ نے احکام ربوبیت کی مقام عبودیت میں حد بندی کر دی ہے۔ لہٰذا تم کو چون و چرا اس کی پابندی کرنی چاہیئے) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح یہ حدود و قوانین مقرر کئے ہیں اسی طرح لوگوں کے فائدہ اور ہدایت کے لئے احکام کی تفصیل اور قوانین کا امتیازی اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ متقی ہو جائیں شرک و معاصی سے بچ جائیں۔

تمام شیطانی وسوسوں، نفسانی اوہام اور دنیوی زق زق کو چھوڑ کر چند روز کے لئے دلی توجہ اور روحانی خلوص سے خدا کی یاد کرنے کے لئے مسجد میں گوشہ نشین ہو جانے کا حکم۔ گوشہ نشینی کے دوران میں مباشرت یعنی اقتضائے صنفی کو پورا نہ کرنے کی ہدایت۔ قوانین اسلام کا حدودِ الٰہی یا خدا کی قائم کردہ حدود ہونے کا بیان اور ممنوعات سے پرہیز رکھنے کا وجوب۔ قوانین اسلام اور حدود شرعیہ کا اصل مدعا لوگوں کی ہدایت اور ان کو متقی بنانا ہے۔ وغیرہ

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ اور اس مال کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے حاکموں کو نہ دو تاکہ لوگوں کے مال

اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ع

میں سے جو کچھ ہاتھ لگے دیدہ و دانستہ ناحق اڑا لو

تفسیر

احکام صیام کے بیان میں رات کو کھانے پینے اور جماع کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن بعض صورتیں ایسی تھیں جن میں ان جائز کردہ چیزوں سے بالکل فائدہ اٹھانا ممنوع تھا۔ مثلاً دوران اعتکاف میں مباشرت ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں باوجود روزہ نہ ہونے کے بھی کھانا پینا ناجائز ہے۔ اس کی تفصیل آیت مذکورہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ تم لوگ آپس میں ناجائز طور پر اور

toobaafoundation.com

ناحق اپنا مال نہ کھاؤ۔ یعنی اگر اپنا مال ہو تب بھی ناجائز اور ممنوع طور پر نہ کھاؤ۔ فضول خرچی، عیاشی اور دیگر لہو ولعب میں اپنا مال برباد نہ کرو اور دوسرے کا مال ہو تب بھی اس کے حصول کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو، چوری نہ کرو، غصب نہ کرو، سود کا لین دین نہ کرو، خیانت، دغا، فریب، حیلہ سازی، دھوکہ اور رشوت وغیرہ سے پرایا مال حاصل نہ کرو۔

وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ اور دیدہ و دانستہ رشوت دے کر مال کو حکام رسی کا ذریعہ بنا کر پرایا مال بھی نہ اڑاؤ۔ گویا مدعا یہ ہے کہ کسی طرح پرایا مال حاصل کرنے کے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرو۔ نہ تو خود دھوکا فریب، دغا بازی، چوری، خیانت وغیرہ سے کمائی کرو، نہ حکام کو رشوت دے کر غیر کا حق چھیننا اور جھوٹے مقدمات کی ڈگریاں لینے کی کوشش کرو۔ یہ دنیا و آخرت میں رسوائی کا سبب ہے۔

مقصود بیان حصولِ مال کے تمام ناجائز ذرائع اختیار کرنے کی ممانعت، رشوت دے کر حکام تک رسائی پیدا کرنی اور پھر اس رسائی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی حرمت وغیرہ۔

فائدہ:۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ آیت کا حکم اس شخص کے حق میں ہے جس پر کسی کا کچھ مالی حق ہو مگر گواہ نہ ہوں۔ اس لئے یہ شخص منکر ہو اور حکام سے اپیل کرے۔ حالانکہ اُس کو خوب علم ہے کہ مجھ پر حق واقعی ہے اور اس طرح میں پرائی حق تلفی کر رہا ہوں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حاکم نے صورتِ مقدمہ کو دیکھ کر خلافِ واقعہ حکم دے دیا تو اس حکم سے نہ حرام حلال ہو جاتا ہے نہ حلال حرام۔ صرف ظاہر میں اس کا اجراء ہو گا۔ ناجائز ڈگریاں حاصل کرنے والا اور اس طرح سے پرایا مال ہضم کر جانے والا خدا کے ہاں ماخوذ ہے۔ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں بھی ایک انسان ہوں اور مدعی مدعا علیہ جھگڑا لے کر میرے پاس آتے ہیں اور بعض لوگ اپنی حجت بیان کرنے میں فریق ثانی سے زیادہ طرار اور زبان آور ہوتے ہیں۔ اس لئے میں (ظاہر بیان کو دیکھ کر) اگر اس کو ڈگری دیدوں تو در حقیقت وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہو گا چاہے اس کو لے لے یا چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ لاعلمی میں اگر میں کسی مدعی کو خلافِ واقعہ ڈگری دیدوں تو اس کو اس سے فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ ناجائز اور موجب عذاب آخرت ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ

(اے محمد) لوگ تم سے چاند کی بابت پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ وہ شناخت وقت کا ذریعہ ہے آدمیوں کے (کاروبار کا) بھی اور حج کا بھی

تفسیر رمضان، شوال، حج، محرم اور دیگر ایام کا اسلامی حساب چاند سے لگایا جاتا تھا۔ اس لئے ایک روز حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سبب ہے کہ چاند پہلی رات میں تو دھاگے کی طرح باریک ہوتا ہے اور پھر دن بدن بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں تاریخ کو گول ٹکیہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر روز بروز گھٹنا شروع ہوتا ہے اور آخر میں پھر اصلی حالت پر دھاگے کی طرح باریک رہ جاتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بیضاوی، کشاف، امام راغب، سیوطی وغیرہ) چونکہ یہ سوال ہیئت کے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی اس زمانہ کے صحرا نورد خانہ بدوش بدویوں میں صلاحیت نہ تھی۔ اور نہ اس کی حقیقت و ماہیت بیان کرنے سے معاش و معاد کی کوئی غرض وابستہ تھی اس لئے انتہائی درجۂ بلاغت کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے فائدہ بتا دیا اور چاند کی اس کمی بیشی سے جو لوگوں کے کاروبار اور معاملات وابستہ تھے اس کا اظہار کر دیا مطلب یہ ہے کہ لوگ تم سے چاند کی حقیقت و ماہیت اور کمی بیشی کے اسباب دریافت کرتے ہیں۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ تم جواب دے دو کہ چاند سے لوگوں کے دنیوی اور دینی کاروبار کا وقت اور زمانہ معلوم ہوتا ہے۔ چاند کی روزانہ تاریخوں سے مہینے اور مہینوں سے برس بنتے ہیں یہی چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فائدے ہیں۔

مقصود بیان تعیین اوقات کا ذریعہ چاند ہے۔ چاند سے ہی اسلامی حساب کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ خواہ دنیوی معاملات ہوں یا دینی سب کا

toobaafoundation.com

حساب چاند سے ہی لگانا چاہیئے۔ آیت میں اس امر کی طرف بھی ایک لطیف ترین نازک اشارہ ہے کہ جن چیزوں کے حقائق و اسرار سمجھنے کی آدمی میں قابلیت نہ ہو ان کے متعلق سوال کر کے اپنا اور جواب دینے والے کا خواہ مخواہ وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کوئی اپنی ناسمجھی اور بیوقوفی کی وجہ سے اس قسم کا غیر مفید اور خلاف محل سوال کر بیٹھے تو جھڑکنا زجر کرنا اور ترش روئی سے انکار کر دینا نہ چاہیئے بلکہ ایسا جواب دینا چاہیئے جو اس کے لئے بکار آمد ہو اگرچہ وہ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اس طور سے سوال نہ کر سکا جس طرح اس کو کرنا چاہیئے تھا۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ

اور یہ نیکی نہیں ہے کہ گھروں کے اندر پشت مکان کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیک تو وہ ہے جو گناہوں سے بچتا رہے

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ مراد کو پہنچو

تفسیر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ ہم چند اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بروایت جابر اور عوفی نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا کہ سوائے قریش کے عرب کے دیگر قبائل جب گھر سے نکل کر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے اور پھر گھر میں کسی کام کے لئے آنے کی ضرورت ہوتی تھی تو دروازے سے داخل ہونا حرام سمجھتے تھے بلکہ پس پشت سے چھت کے اوپر چڑھ کر دیوار پھاند کر آیا کرتے تھے۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں دروازے سے داخل ہوئے اور حضور کے ساتھ ساتھ رفاعہ بن تابوت یا قطبہ بن عامر انصاری بھی داخل ہو گئے۔ لوگوں نے رفاعہ یا قطبہ سے سبب دریافت کیا اور کہا کہ تم تو تاجر ہو قریش نہیں ہو پھر تم کیوں احرام کے بعد دروازے سے داخل ہوئے۔ رفاعہ بولے میں بھی حضور کے دین پر ہوں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بخاری اور ابوداؤد نے بروایت براء بن عازب بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں احرام باندھنے کے بعد لوگ دروازوں سے گھروں میں داخل ہونے کو گناہ جانتے تھے۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حضرت براء کی دوسری روایت میں ہے کہ انصار کا قاعدہ تھا جب سفر حج سے مدینہ کو واپس آتے تو کوئی شخص اپنے گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حسن بصری سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قوموں کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص بقصد سفر گھر سے نکل جاتا اور پھر کسی مصلحت کی وجہ سے سفر کو جانا نہ چاہتا تو واپسی میں دروازہ سے گھر میں نہ آتا بلکہ پشت کی طرف سے دیوار پھاند کر داخل ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سراج و معالم میں محمد بن کعب کا قول منقول ہے کہ جب کوئی اعتکاف کرتا تو گھر میں دروازہ سے داخل نہ ہوتا یہی دستور تھا۔ اسکی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ اہل مدینہ جب عید سے لوٹتے تھے تو گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہوتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ امر موجب نیکی ہے۔ اس کی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ مکانوں کی پشت کی طرف سے پھاند کر یا نقب لگا کر یا کسی اور صورت سے اندر داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے۔ نہ اس کو نیکی میں دخل ہے اور نہ حالت احرام میں ایسا کرنا موجب ثواب ہے۔ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ بلکہ نیکی والا شخص تو وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ متقی ہو، تمام ممنوعات سے الگ رہتا ہو، شریعت الٰہیہ کا پابند ہو۔ شرک اور تمام معاصی کو اس نے ترک کر دیا ہو۔ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا تم گھروں میں آیا کرو تو دروازوں سے آیا کرو، خواہ احرام کی حالت ہو یا غیر احرام کی۔ سفر سے واپس آؤ یا کہیں اور سے۔ ہر صورت قاعدہ کی پابندی ضروری ہے۔ ہر کام دستور و قاعدہ کے مطابق ضروری ہے پس پشت سے کود کر یا نقب لگا کر گھروں میں آنا دستور کے خلاف ہے۔ لہٰذا تم دستور و قانون کی پابندی کرو اور نیکی کے اصول کی محافظت رکھو۔ اس کی مخالفت و دوری نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تقویٰ اختیار کرو۔ یہی کامیابی اور

toobaafoundation.com

اور فلاح کی کنجی ہے۔ اسی سے سعادت و حصولِ نجات وابستہ ہے۔

مقصودِ بیان قانونِ فطرت کی تعلیم اور خلاف ورزی کرنے کی ممانعت۔ ہر کام کو اس کے ماشے سے کرنے کی ہدایت اور ہر مقصد کے حصول کے لئے اسباب مادی اور مناسب تدابیر پر عمل کرنے کی طرف خفی اشارہ۔ اس امر کی صراحت کہ گھروں میں پس پشت سے جگہ وہ اور دروازوں سے داخل ہونا بھی موجب سعادت و نجات نہیں۔ فلاح و کامیابی کا دارومدار عقائد و اعمال کی اصلاح پر ہے۔ لہٰذا انہیں دونوں قوتوں یعنی قوت علمیہ و عملیہ کی اصلاح و تکمیل کرنی ضروری ہے تاکہ فلاح و بہبود حاصل ہو۔ وغیرہ

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○

اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی راہِ خدا میں اُن سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو خدا کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں ہیں

تفسیر تقویٰ کی ایک شاخ چونکہ اعلانِ حق اور سلسلِ فطرت کی اقامت بھی ہے اور گزشتہ آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اس لئے یہاں جہاد کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ہجرت سے قبل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے لڑنے کی اجازت نہ تھی بلکہ حکم ہوا تھا کہ اگر تم اہلِ مکہ سے تنگ آگئے ہو اور ان کی چیرہ دستیاں ناقابلِ برداشت ہو گئی ہیں تو تم ترکِ وطن کر دو۔ چنانچہ حبش کو کچھ صحابہ نے ہجرت کی۔ پھر دوبارہ ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی۔ اس ہجرت میں حضورِ اقدس اور تمام صحابہ شریک تھے۔ آگے پیچھے سب لوگ مدینہ سے چلے گئے۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ زمانہ کے بعد کافروں کی بیجا زیادتی و زور کی مدافعت کا حکم ملا اور جنگِ بدر، احد، خندق وغیرہ واقع ہوئیں۔ پھر سنہ ۶ھ میں حضورِ اقدس نے عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ حج کا حکم اس وقت تک نہ آیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ حج کے ہی ارادہ سے چلے تھے۔ بہرحال سرکارِ عالی مع گروہ صحابہ کے مقام حدیبیہ تک جو کہ سے نو میل کے فاصلہ پر تھا پہنچے تو اطلاع ملی کہ قریش لڑنے پر آمادہ ہیں اور مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ مجبوراً حضورؐ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور اس سال کے لئے اہلِ مکہ سے ایک معاہدہ ہوا جس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ تین روز کے واسطے مکہ ان کے لئے خالی کر دیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ صلح ہو گئی اور حضورؐ مع صحابہ کے واپس تشریف لے گئے۔ پھر دوسرے سال آپ نے تحفۂ عمرہ کا ارادہ کیا تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار معاہدہ کی خلاف ورزی کریں اور ہم کو عمرہ نہ کرنے دیں۔ ہم احرام باندھے ہوں گے، حرم کی سرزمین ہو گی اور مہینہ بھی وہ ہو گا جس میں قتال حرام ہے۔ ہم ان کی مدافعت کس طرح کر سکیں گے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم سے جو لوگ لڑیں یا لڑنا چاہیں تم بھی اُن سے لڑو لیکن جوشِ حمیت، حفظِ مال، غیرتِ جاہلیت، نام و نمود، شہرت اور اظہارِ شجاعت کے لئے نہیں بلکہ راہِ خدا میں لڑو۔ خدا کا بول بالا کرنا اور حمایتِ حق کرنی مقصود ہو۔ پھر اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو۔ قتال میں پہل اور ابتدا نہ کرو۔ بچوں، عورتوں، بڈھوں کو نہ مارو، سبز درختوں کو نہ کاٹو، عہد شکنی نہ کرو کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ کی توضیح میں ایک جماعتِ سلف نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورتوں سے، بچوں سے اور بہت زیادہ بڈھوں سے، اپاہج اور لنگڑوں سے، تارک الدنیا فقیروں سے، اندھوں سے اور دیوانوں سے نہ لڑو۔ یعنی جو خود لڑائی کے قابل نہ ہوں۔ اُن سے نہ لڑو۔ زیادتی کرنے میں یہ معنی بھی داخل ہیں کہ کسی مقتول کو مثلہ نہ کرو۔ ناک کان اور اعضائے خلق نہ کاٹو۔ فریب دھوکا نہ کرو۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس نے جہاد میں مذکورہ افعال کرنے کی ممانعت فرما دی تھی۔

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے جو معنی ہم نے بیان کئے ان کی تائید حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بعض لوگ شجاعت سے لڑتے ہیں۔ بعض جوشِ حمیت سے اور بعض نام آوری و شہرت حاصل کرنے کے لئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے ان میں فی سبیل اللہ کون ہے؟ فرمایا جو شخص محض اس لئے لڑے کہ خدا کا بول بالا ہو وہ قتال فی سبیل اللہ ہے۔

مقصودِ بیان اعلانِ حق اور اقامتِ عدل کے لئے لڑنے کی ترغیب۔ غرضِ نفسانی، ذاتی خصومت، حصولِ شہرت و نام آوری اور دیگر

toobaafoundation.com

نفسانی جذبات کے قتال کرنے کی ممانعت یعنی اس بات کی طرف لطیف اشارہ کہ مسلمان کا اصل مطمحِ نظر، ملک گیری، جاہ طلبی اور حکومت پسندی نہ ہونا چاہیئے بلکہ اشاعت کلمۃ اللہ مقصود واصلی ہونا چاہیئے۔

نہ لڑنے والے طبقہ کو چھوڑ دینے کا حکم یعنی بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور دیگر کمزور ہستی رکھنے والوں سے لڑنے کی ممانعت گویا غیر مجرموں اور بےقصوروں سے کنارہ کشی رہنے کی ہدایت، مثلہ کرنے یا جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت دشمنوں سے کوئی ناشائستہ حرکت کرنے کی حرمت اور بازداشت۔ اپنی طرف سے ہر طرح زیادتی کرنے کا امتناع اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی بازداشت وغیرہ۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ

اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی وہاں سے اُن کو نکال دو کیونکہ شرک خونریزی سے

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

بھی بڑھ کر ہے مگر اُن سے مسجدِ حرام کے پاس نہ لڑو تاوقتیکہ وہ تم سے اس جگہ نہ لڑیں لیکن اگر وہ تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْ

(وہاں) لڑیں تو تم بھی اُنکو مارو ان کافروں کی یہی سزا ہے پھر اگر وہ (شرک سے) باز آجاویں تو اللہ غفور رحیم ہے اور یہاں تک

هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

اُن سے لڑو کہ شرک باقی نہ رہے اور خالص اللہ ہی کا دین رہ جائے اب اگر وہ (شرک سے) باز آجائیں تو سوا ظالموں کے کسی پر دراز دستی نہیں چاہیئے۔

تفسیر وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ حاصل یہ ہے کہ اگر تم میں اور کفار میں کوئی معاہدہ نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو حرم کے اندر ہوں یا باہر کعبہ کے پاس ہوں یا کسی اور جگہ۔

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ اور جس طرح انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا تھا تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے قابلِ احترام مقام میں خونریزی کی یا مقدس جگہ میں کفار سے قتال کیا۔ کیونکہ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کفار وہاں فتنہ وفساد کرتے ہیں۔ کفر و شرک کرتے ہیں جس سے زمین پر فساد پھیلتا ہے اور قتال و خونریزی کی بنیاد پڑتی ہے اور فتنہ درحقیقت خونریزی سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔ اس سے مخلوقِ خدا تباہ ہو جاتی اور آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں لہٰذا تم کو ان سے لڑنے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ ہاں مسجد حرام کا پھر بھی احترام ضرور ہے وہاں قتل و غارت سے حتی الامکان اجتناب رکھنا لازم ہے۔ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ مسجد حرام کے پاس اس وقت تک لڑائی نہ لڑو جب تک کفار تم سے وہاں جنگ نہ کریں، تم اپنی طرف سے پیش دستی اور سبقت نہ کرو فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ لیکن اگر کفار مسجدِ حرام کا احترام نہ کریں اور خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کا لحاظ نہ رہے اور تم سے مقاتلہ ہی کریں تو مجبوراً ان کو وہیں مار ڈالو۔ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ کیونکہ ان کافروں کی یہی سزا ہے بغیر اس سزا کے یہ باز نہ آئیں گے۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ہاں اگر کفار باز آجائیں، شرک و کفر چھوڑ دیں اور توبہ کرلیں تو خدا معاف کرنے والا ہے۔ تم بھی ان سے قتال نہ کرو۔

چونکہ جہاد اصل عبادت نہیں ہے بلکہ اعلانِ حق اشاعتِ توحید اور کفار کی مدافعت کے لئے اس کا حکم ہے اس لئے کھلے الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے۔
وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ یعنی کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک سطحِ زمین پر فتنہ وفساد و شرک و کفر اور پرستش

toobaafoundation.com

غیر اللہ روئے زمین پر باقی نہ رہے۔ کسی کافر کو زمین پر قتل، خونریزی اور تباہی اور ہلاکت آفرینی کی مجال نہ ہے اور احکام الٰہی پر بے روک ٹوک عمل ہونے لگے۔
چونکہ اشاعت توحید اور بندش فساد کے بعد جہاد کی اجازت نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے:۔
فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اگر لوگ شرک، کفر، سرکشی، طغیان اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں تو پھر ان پر زیادتی کرنے جہاد کرنے اور خونریزی کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس کی اجازت تو اور لوگوں کے حق میں ہے جو ظالم ہوں ناحق کوش ہوں، شرک و فساد کر رہے ہوں اور توحید کی اشاعت کے بعد یہ لوگ ظالم نہ رہے۔ لہٰذا جہاد کی اجازت بھی نہیں۔
آخری دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ حکم جہاد صرف اصلاح عالم اور روئے زمین پر امن چین اور توحید پھیلانے کے لئے تھا اور جب تک اس خاکدان میں یہ خرابیاں باقی رہیں گی حکم جہاد قائم رہے گا۔

مقصودِ بیان
اگر کفار مسلمانوں کے استیصال اور مضرت رسانی کے درپے ہوں تو مدافعت ضروری ہے۔ حرم کے اندر قتل و خونریزی حرام ہے اور صرف اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ عظمت الٰہی کے منافی ہے۔ اگر عظمتِ الٰہی کی بقا حرم کے اندر مدافعت پر موقوف ہو تو وہاں بھی خونریزی جائز ہے۔ توبہ سے گزشتہ گناہ یہاں تک کہ قتل و غارت کے جرائم بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ دین الٰہی کا اصل منشا عالم میں امن چین پھیلانا، قانونِ عدل جاری کرنا اور سب لوگوں کو نقطۂ توحید و اصلاحِ اعمال پر لانا ہے۔ جو شخص اس مدعا کی تکمیل سے مانع آئے گا اس سے قتال کرنا واجب وغیرہ

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

حرمت کا مہینہ حرمت کے مہینہ کے مقابل ہے اور ادب رکھنے کی چیزوں میں عوض معاوضہ ہے لہٰذا جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿﴾

پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کا ساتھی ہے

تفسیر
یہ گزشتہ حکم جہاد کا تتمہ ہے۔ دورِ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں اہل عرب چار مہینوں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کا احترام کرتے تھے۔ ان مہینوں میں قتال و جدال نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حرم کی سرزمین تو ہمیشہ قتال و خونریزی سے محفوظ رہتی تھی۔ جب ماہ ذیقعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ نے عمرہ نہ کرنے دیا اور آئندہ سال عمرہ قضا کر لینے پر باہمی صلح ہو گئی تو ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں حسب معاہدہ عمرہ قضا کرنے کے لئے حضورؐ مع صحابہ تشریف لے چلے۔ مسلمانوں کے دل میں اس وقت دو خیال پیدا ہوئے۔ وہ یہ کہ اگر کفار مانع آئے اور جس طرح گزشتہ سال عمرہ نہ کرنے دیا اس سال بھی عمرہ کرنے سے روکا تو کیا کیا جائے گا۔ کس طرح قتال اور جنگ مدافعت کی جا سکتی ہے۔ اول تو یہ ماہ ذیقعدہ ہے جو واجب الاحترام ہے۔ قتل و خونریزی اس مہینہ میں مناسب نہیں۔ دوسرے حرم کی سرزمین میں لڑائی کیونکر ممکن ہے۔ اس خیال کی تردید اور حکم جہاد کی تکمیل کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ پہلے خیال کے ازالہ کے لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ماہ حرام ماہ حرام کے مقابل ہے۔ گزشتہ سال کا ماہ حرام اور اس سال کا ماہ حرام دونوں برابر ہیں۔ گزشتہ سال اسی ماہ حرام میں کفار نے تم کو روکا، لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا۔ اسی طرح تم بھی ماہ حرام میں ان سے قتال کر سکتے ہو۔ رہا حرمت حرم کا خیال تو اس کے ازالہ کے لئے ارشاد ہوتا ہے وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ یعنی تمام حرمتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں جس طرح تم کعبہ کی سرزمین کو محترم جانتے ہو ان کے نزدیک بھی وہ واجب الاحترام ہے۔ جب انہوں نے حرمت حرم کا لحاظ نہ کیا اور بے شک کعبہ کیا تو تمہارے لئے بھی ان کی مدافعت جائز ہے۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وہاں اگر کوئی تم پر زیادتی کرے جنگ میں پیش دستی اور سبقت کرے اور حرم کے اندر جنگ کرنے سے نہ ڈرے اور نہ احترام ماہ کا لحاظ رکھے فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ تو تم بھی اس کا بدلا لو لیکن بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ عوض میں زیادتی نہ ہونی چاہیے۔ جتنی ایذا اور مضرت اس نے تم کو پہنچائی ہو تم بھی اتنی ہی بعید

toobaafoundation.com

اس کو پہنچاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ مگر اس مقابلہ و انتقام میں جذباتِ نفسانیہ کو دخل نہ دو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ خود ابتدا نہ کرو اور اپنی طرف سے زیادتی بھی نہ کرو۔ قانونِ عدل اور سارتقائے نفس کا لحاظ رکھو کیونکہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ تم کو جان لینا چاہیے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ والوں کی ہی مدد کرتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں خدا سے ڈرتے ہیں۔ قانونِ عدل کا لحاظ رکھتے ہیں انہی کی نصرت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر تم تقویٰ کا لحاظ رکھ کر کفار سے مقابلہ کرو گے تو خدا تمہاری بھی مدد فرمائے گا اور دشمنوں پر کامیاب کرے گا۔

مقصودِ بیان انتقام جائز ہے اور کفار سے قتال بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت نہ ہو۔ زیادتی کسی پر جائز نہیں۔ خواہ ظالم ہو یا عادل، کافر ہو یا مسلم۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں حق کی طرفداری اور اعلانِ صداقت کی حمایت کرتے ہیں ان کو خدا مقاصد میں کامیاب کرتا ہے اور ہر طرح ان کی امداد فرماتا ہے۔ حرمتِ الٰہی کا احترام ضروری ہے۔ لیکن اگر قانونِ الٰہی کی شکست ہو رہی ہو تو اس وقت شریعتِ الٰہی کی حفاظت لازم ہے خواہ اس میں کسی حرمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی ہو جائے۔ وغیرہ

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۛ ۚ ۖ وَاَحْسِنُوْا ۛ ۚ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

کیونکہ اللہ نیکوں سے محبت کرتا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں چونکہ علماء کا بہت اختلاف ہے اور اس میں متعدد اقوال ہیں اس لئے ہم اول آیت کا سلیس مطلب بیان کرتے ہیں پھر اسبابِ نزول بیان کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ہر کارِ خیر میں جہاں مال کے خرچ کرنے کی ضرورت ہو صرف کرو۔ خصوصاً جہاد کی تیاری میں تو ضرور مال صرف کرو۔ کیونکہ اگر صرف نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔ اس صورت میں تم خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالو گے اور وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ خود اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ممنوع ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ راہِ خدا میں صرف کرو لیکن اتنا صرف نہ کرو کہ خود بالکل نادار ہو کر دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرو۔ کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے اور تم کو خود اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت کا سامان مہیا نہ کرنا چاہئے۔ نیز یہ معنی بھی جائز ہیں کہ اگرچہ جہاد کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یونہی بغیر سامان کے اپنے سے بہت زیادہ قوی دشمن کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہو۔ کیونکہ یہ تو خود اپنی ہلاکت اپنے ہاتھوں مول لینی ہے۔

آیت کا مطلب ایک اور بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جان و مال دونوں راہِ خدا میں صرف کرو۔ لیکن اس سے یہ غرض نہیں کہ کتنا ہی قوی اور زبردست دشمن ہو اس کے مقابلہ کے لئے تنہا تیار ہو جاؤ یا تم کو خود جہاد کے لئے کتنی ہی مال کی ضرورت ہو دوسروں کو اپنا کل مال دے کر خود محتاج بن جاؤ اور دوسروں سے سوال کرتے پھرو۔ یہ خود اپنے لئے ہلاکت آفرینی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی حکمِ جہاد کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر وقت خونخوار بنے رہو اور برسرِ پیکار رہو بلکہ جہاد و قتال کا چونکہ موقع علیحدہ ہے اس لئے نیکی کرنے کی عادت پیدا کرو۔ خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔

اسبابِ نزول ہم ذیل میں ذرا تفصیل کے ساتھ آیت مذکورہ کی شانِ نزول بیان کرتے ہیں اگرچہ تطویل ہو جائے گی لیکن یہ طوالت فائدہ خیز ہے۔ ذیل کی تمام روایات صحیح ہیں۔ ان میں سے بعض تو سببِ نزول میں داخل ہیں۔

امام بخاری نے بروایت حضرت حذیفہ بیان کیا ہے کہ آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس، مجاہد،

toobaafoundation.com

عکرمہ، سعید بن جبیر، عطا، قتادہ، ضحاک، سدی، حسن بصری اور مقاتل سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

یزید بن ابی حبیب سے بروایت ابوعمران منقول ہے کہ کسی مہاجر نے قسطنطنیہ میں کفار سے مقابلہ کے وقت دشمن کی صف پر حملہ کیا اور صف کو توڑ کر دیا۔ لوگ کہنے لگے کہ اس مہاجر نے خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا تھا۔ ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے۔ ہم اس آیت سے بہت زیادہ واقف ہیں۔ ہمارے ہی حق میں یہ آیت اتری ہے۔ ہم نے حضور اقدسؐ کا ساتھ دیا تھا اور معرکوں میں حضورؐ کے ہمرکاب رہے تھے اور حضورؐ کی مدد بھی کی تھی جب اسلام کی اشاعت بہت زیادہ ہوگئی تو ہم انصاریوں نے آپس میں کہا کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ رہنے کی عزت عطا فرمائی ہے اور حضورؐ کی مدد کرنے کا شرف ہم کو مرحمت فرمایا ہے۔ لیکن اب اسلام کی اشاعت بہت ہوگئی اور مسلمان بکثرت ہوگئے اور ہم نے اپنے مال و اولاد اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر حضورؐ کے ہمرکاب رہنے کو پسند کیا تھا۔ اپنے تعلقات قرابت اور مال کی کچھ پرواہ نہ کی تھی مگر اب لڑائی ختم ہوگئی۔ کوئی جھگڑا قصہ باقی نہ رہا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم اپنے گھر بار کی طرف رجوع کریں۔ بال بچوں میں جا کر رہیں۔ اسی وقت ہمارے حق میں آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی۔ گویا اہل و مال کو اختیار کرنا اور بال بچوں کے ساتھ جا کر رہنا اور جہاد ترک کرنا ہی موجب ہلاکت تھا اور یہی آیت میں مراد ہے (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی مردویہ، حافظ ابویعلیٰ، ابن حبان، حاکم)

ایک شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے کہا کہ اگر میں تنہا دشمن پر حملہ کروں تو کیا میں خود اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالوں گا۔ فرمایا نہیں۔ آیت لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ تو نفقہ کے متعلق نازل ہوئی ہے (رواہ ابن مردویہ الحاکم)

تہلکہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے۔ اس صورت میں وہ خود اپنی ہلاکت آفرینی کا سبب ہوگا (ترمذی وغیرہ)

ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ آیت وَلَا تُلْقُوْا جنگ کے متعلق نہیں ہے بلکہ نفقہ کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے گا تو خود اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

ضحاک بن ابی جبیرہ سے مروی ہے کہ انصار صدقہ دیا کرتے تھے اور اپنے مال میں سے کچھ حصہ راہِ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک سال قحط پڑا اس سے انصار راہِ خدا میں کچھ خرچ نہ کر سکے اس پر آیت وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ الخ نازل ہوئی۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ القاء الی الهلاک سے مراد بخل ہے۔

نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ آدمی کوئی گناہ کرے اور پھر کہے کہ میرا یہ گناہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا تو ایسے شخص کے حق میں خدا نے نازل فرمایا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (ابن مردویہ)

مطلب یہ ہے کہ مغفرت سے مایوس ہونا ہلاکت ہے ... اچھا ہے۔ حسن، ابن سیرین، ابوقلابہ اور عبیدۃ السلمانی سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر ابی طلحہ کی بروایت ابن عباس بیان کیا کہ تہلکہ عذاب الٰہی ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ محمد بن کعب آیت ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی تفسیر میں کہتے تھے کہ پہلے جب مجاہد راہِ خدا میں جہاد کرتے تھے جس کے پاس زاد راہ زیادہ ہوتا تھا وہ دوسروں کو تقسیم کر دیتا تھا اور یہاں تک ایثار سے کام لیتا تھا کہ خود اس کے پاس کچھ نہ رہتا تھا اور وہ دوسروں کا دست نگر بن جاتا تھا اس وقت خدا تعالیٰ نے آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ نازل فرمائی۔

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں حکم دیتے وہاں جہاد کرنے کے لیے لوگ جایا کرتے تھے لیکن بہت سے لوگ بغیر توشہ کے جایا کرتے تھے۔ یا تو ان کے پاس ہوتا ہی نہ تھا یا میسر ہو سکتا تھا لیکن خود نہ لے جاتے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے حکم دیا وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ یعنی جو کچھ میسر ہو اس کو زاد راہ کے طور پر ساتھ لے لیا کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ تہلکہ سے مراد ہے کہ آدمی بھوک پیاس یا چلنے کی تکلیف سے مر جائے۔ اور جن لوگوں کے پاس زاد راہ نائد ہوتا تھا ان کو حکم دیا گیا۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

حضرت عمرو عاص کے قول سے آیت کا مفہوم عام معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ دمشق کے محاصرہ کے وقت ایک شخص اکیلا دشمن کے مقابلہ کے لیے لپکا۔ لوگوں نے اس کے اس فعل کو خلاف خیال کیا اور حضرت عمرو بن عاص سے یہ واقعہ کہا۔ آپ نے اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ولا تلقوا

toobaafoundation.com

بایدیکم الی التھلکۃ۔ بات یہ تھی کہ عمرو بن عاص کے نزدیک آیت عام معنی پر محمول ہے۔ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سپہ سالار بناکر جہاز پر بھیجا اتفاقاً ایک روز وہاں ان کو احتلام ہوگیا سخت سردی پڑرہی تھی اس لئے انھوں نے غسل نہ کیا اور تیمم کر کے نماز پڑھادی۔ مدینہ میں پہنچے تو حضورؐ سے یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ حضور اقدسؐ نے عمرو بن عاص سے سبب دریافت کیا۔ عمرو بن عاص نے یہی آیت پڑھ کر سنادی۔ حضورؐ نے مسکراکر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمرو بن عاص کا اجتہاد ٹھیک تھا ورنہ حضور ضرور کچھ فرماتے۔

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جو واقعات روایت کئے گئے یہ سب آیت کی تفسیر میں معتبر ہیں۔ دنیوی ہو یا دینی۔ بہرحال جو امر آدمی کے لیے ہلاکت آفرینی کا سبب ہوسکتا ہو وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

مقصود بیان راہِ خدا میں جان و مال سے دریغ نہ کرنا چاہیئے بغیر زادِ راہ کے سفر کرنا خلافِ شرع ہے۔ خود اپنی ہلاکت کے اسباب پیدا کرنا ناجائز ہے۔ گناہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ توبہ کا اظہار بھی کرے یعنی گناہ چھوڑ دے اور نیکوکاری کرنی شروع کردے وغیرہ

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا

اور اللہ کی رضامندی کے لئے حج وعمرہ کو پورا کرو اب اگر تم کو روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو وہ کردو اور تاوقتیکہ قربانی

رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ

اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ اور اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اُس کے سر میں تکلیف

رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

ہو تو اُس پر فدیہ لازم ہے روزے ہوں یا صدقہ یا قربانی پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے اور کوئی شخص عمرہ کو ملاکر

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ

حج سے فائدہ اٹھائے تو جو قربانی میسر آئے (کرنی لازم ہے) اور جس کو قربانی میسر نہ آئے تو حج کے زمانہ میں تین روزے رکھے

وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي

اور واپس آکے سات روزے رکھے یہ پورے دس ہو گئے مگر یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

پاس (یعنی مکہ میں) نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں احکامِ صیام و جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور حکمِ جہاد کے دوران میں حج و عمرہ کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ اس لئے ان آیات میں حج و عمرہ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ آیات کی تفسیر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شرعی اصطلاحات ان آیات میں استعمال کی گئی ہیں ان کی مختصر توضیح کردی جائے تاکہ آیات کا مطلب سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

عمرہ عرف طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا نام ہے۔ یعنی بیرونِ حرم سے احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنا پھر صفا و مروہ

toobaafoundation.com

کے درمیان سعی کرتی پھر سر منڈا کر احرام کھول دینا۔ حج کے واسطے زمانہ مقرر ہے مگر عمرہ کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں۔ سال کے کل ایام میں عمرہ جائز ہے۔ ہاں عرفہ کے دن اور ایام تشریق میں اور دسویں ذی الحجہ کو مکروہ ہے۔

افراد میقات یا حل سے صرف حج کی نیت کرکے احرام باندھے۔ مکہ میں پہنچ کر پہلے طوافِ قدوم کرے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگائے۔ پھر ۸۔ ذی الحجہ کو منا میں رات کو اقامت کرکے ۹۔ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات کو جائے۔ شام تک وہیں رہے۔ غروب کے بعد عرفات سے نکل کر مزدلفہ میں جاکر رات کو قیام کرے۔ ۱۰۔ ذی الحجہ کی صبح کو منا میں واپس آئے اور مکہ کی سمت والے جمرہ پر سات کنکریاں مار کر قربانی کرکے سر منڈا کر احرام کھول دے۔ عورتیں سر کے بالوں کی ایک لٹ بھی کتر دیں۔ پھر اسی روز یا دوسرے تیسرے روز طوافِ زیارت کرے۔ پھر تینوں جمرات پر سات کنکریاں مارے لیکن شروع اس جمرے سے کرے جو عرفات کی جانب ہے۔

قِران حج و عمرہ دونوں کی ایک دم نیت کرکے احرام باندھ کے مکہ میں پہنچ کر اول عمرہ کرے پھر بغیر احرام کھولے ۸۔ ذی الحجہ کو حج کے افعال شروع کرے۔ دسویں تاریخ کو قربانی کرنا بھی اس پر واجب ہے۔ اس قربانی کو دم قرآن کہتے ہیں۔ اگر قربانی میسر نہ آئے تو دس روزے رکھے۔ تین روزے نویں تاریخ تک اور سات روزے حج سے فارغ ہوکر۔

تمتع اس میں حج و عمرہ دونوں کی نیت علیحدہ علیحدہ کرنی ہوتی ہے۔ پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر احرام کھول کر آٹھ تاریخ کو حرم کے اندر کسی جگہ سے احرام باندھ کر حج کے افعال کئے جاتے ہیں۔ تمتع کرنے والے پر بھی ۹ تاریخ کو قربانی کرنی واجب ہے اور بصورتِ مجبوری دس روزے رکھنے لازم ہیں۔ (حقانی و مواہب الرحمٰن و ابن کثیر)۔ اب ہم آیت کی تفسیر شروع کرتے ہیں:-

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حج و عمرہ کی تکمیل خدا کے واسطے کرو۔ یعنی نیت میں خلوص رکھو۔ دونوں کے شروط وارکان میں کمی نہ کرو اور شروع کرکے ناتمام نہ چھوڑو۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ یعنی اگر بحالتِ احرام تم کو راستہ میں رُک جانا پڑے اور حج و عمرہ نہ کر نا ملے خواہ دشمن کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تو اس صورت میں قربانی کا ایک جانور خواہ بکری ہو یا گائے یا اونٹ جو میسر آئے بھیج دو اور جب خیال ہو جائے کہ قربانی کعبہ میں پہنچ کر ذبح ہوگئی ہوگی تو احرام کھول دو اور سر منڈا لو اور عذر رفع ہو جائے تو آئندہ کبھی حج و عمرہ کی قضا کر لو۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ لیکن جب تک قربانی کا جانور مکہ میں پہنچ کر ذبح نہ کر دیا جائے اس وقت تک سر نہ منڈاؤ ورنہ احرام کھولو۔ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ حضرت کعب بن عجرہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور احرام باندھے ہوئے چونکہ مدت زیادہ ہوگئی تھی اس لئے سر سے جوئیں گر رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا کیا تجھ کو سر کے کیڑوں سے اذیت ہو رہی ہے۔ کعب نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اچھا تو سر منڈا دے اور تین روزے رکھ لے یا تین صاع چھواروں کا ایک ٹوکرا چھ مسکینوں کو دیدے۔ ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (صحاح ستہ)

مطلب یہ کہ جو شخص مریض ہو یعنی احرام کے بعد اس کو کوئی مجبور کن مرض لاحق ہوگیا ہو یا سر میں جوئیں پڑ جائیں کہ ان سے بہت تکلیف ہو یا کوئی اور وجہ درپیش ہو جائے کہ سر منڈانا پڑ جائے تو سر منڈا دینا چاہیئے۔ لیکن اس کے بدلے میں قربانی کرنی چاہیے۔ یعنی کم از کم ایک بکری کو ذبح کرنا چاہیئے ورنہ چھ مساکین کو تین صاع طعام دیدے اور اگر کچھ میسر نہ آئے تو تین روزے رکھ لے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پھر اگر حالتِ امن میں جبکہ کوئی روک ٹوک نہ ہو کوئی عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر ترتیب وار ادا کرے خواہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام باندھے (قرآن) یا دو احرام علیحدہ علیحدہ باندھے (تمتع) تو شکرانہ میں ایک قربانی کرنی چاہیے جو میسر ہو بکری ہو یا گائے یا اونٹ۔ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ الخ لیکن اگر کسی کو کوئی قربانی میسر نہ آئے تو دس دن کے روزے رکھنے چاہیئں۔ تین تو دورانِ حج میں دسویں تاریخ تک اور سات واپسی کے بعد اپنے گھر جاکر۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ ملا کر ادا کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جو مکہ یا میقات کے اندر کا باشندہ نہ ہو کیونکہ اس کو اس سہولت کی ضرورت ہے۔ اہل مکہ کو اس کی ضرورت نہیں وہ جب چاہیں عمرہ علیحدہ کر سکتے ہیں۔

toobaafoundation.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی احکام الٰہی کی پابندی رکھو خلاف ورزی نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اگر خلاف ورزی کروگے تو سمجھ لو کہ خدا کا عذاب سخت ہے وہ سخت سزا دے گا۔ آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگر کوئی مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے اور کسی دشمن یا مرض یا کسی اور مانع کی وجہ سے حج و عمرہ پورا کرنے سے معذور ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ قربانی کا جانور فدیہ کے طور پر خود یا کسی کے ذریعہ سے پہنچا کر ذبح کرائے اس وقت احرام کھولنا اور سر منڈانا جائز ہو جائیں گے۔ ہاں اگر سر میں زخم یا جوؤں کی تکلیف ہو تو سر منڈا کر فدیہ دینا لازم ہے۔ تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو تین صاع (تقریباً ۹ سیر) کھانا کھلا دے یا کم از کم ایک بکری ذبح کر دے اور جو شخص ایام حج (شوال، ذیقعد اور نو دن ذی الحجہ کے) میں احرام باندھ کر حج و عمرہ دونوں ادا کرنا چاہے تو شکرانہ میں ایک قربانی واجب ہے اور میسر نہ ہو تو نویں تاریخ سے قبل چھٹی تاریخ سے یا ساتویں تاریخ سے تین روزے رکھے اور سات روزے حج کے بعد گھر جا کر رکھے مگر یہ تمتع کا جواز اسی شخص کے لیے مخصوص ہے جو مکہ یا اطرافِ مکہ کا رہنے والا نہ ہو۔ جو شخص مقامی باشندہ ہوگا اس کو اس سہولت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

مقصود بیان حج و عمرہ کے احکام کا بیان، کفار کی ممانعت، مرض کی تکلیف یا کسی اور مانع کی وجہ سے اگر حج و عمرہ نہ ہو سکے تو بشرائط شرعی احرام کھول کر پھر کبھی قضا کرنے کا حکم، احکام حج و عمرہ میں سہولت مدنظر رکھنے کی صراحت، تمام اعمال و عبادات خصوصاً حج وغیرہ میں خلوص قلبی رکھنے اور خاص خوشنودیٔ الٰہی ملحوظ رکھنے کی ہدایت۔ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے پر عذاب کا ترتب وغیرہ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ

حج کے چند مہینے مقرر ہیں لہٰذا جس شخص نے ان مہینوں میں (نیت کرنے کے بعد اپنے اوپر) حج کو لازم کر لیا تو پھر حج میں نہ عورتوں سے قربت جائز ہے

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ

نہ عدول حکمی نہ جھگڑا اور نیکی کا کوئی کام کرو خدا اس کو جانتا ہے

تفسیر اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ یعنی حج شروع کرنے کے چند مہینے مقرر ہیں۔ باتفاق مفسرین حج کے احرام و تکمیل کے ایام ماہ شوال، ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا دسواں دن بھی داخل ہے اور شافعیؒ کے نزدیک صرف دسویں شب داخل ہے دسواں دن خارج ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ ایام حج میں شمار کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ اب جو شخص اس زمانہ میں حج کا التزام کرے یعنی احرام باندھ لے تو احرام سے لے کر انتہائے حج تک فَلَا رَفَثَ عورتوں سے قربت، اختلاط اور وہ اسباب اختیار کرنے جو دواعی جماع ہیں۔ وَلَا فُسُوْقَ اور فحش زبانی، شہوت انگیز قصے، گالی گلوچ اور دیگر گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اور نہ لڑائی جھگڑا، ہاتھا پائی اور دیگر قتال و خونریزی کے دواعی کا ارتکاب کرے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رَفَثٌ سے مراد جماع اور جماع کی تعریض ہے اور عورتوں کے سامنے اسی قسم کا ذکر کرنا بھی رفث کے حکم میں داخل ہے۔ گویا عورتوں کی موجودگی میں شہوت انگیز ذکر ممنوع ہے۔ لیکن ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رفث سے مراد جماع ہے، فحش یا لغو بکنا مراد ہے۔ اس بنا پر عورتوں کی موجودگی ضروری نہیں، اسی تفسیر کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ فسوق دراصل حدود شرعیہ سے خارج ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لئے ابن عباسؓ کے نزدیک کل معاصی فسوق میں داخل ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ فسوق کفر اور عصیان کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ ابن عمرؓ کے نزدیک فسوق سے مراد بد زبانی اور برا بھلا کہنا ہے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ آیت میں فسوق سے مراد وہ فعل ہے جس کا ارتکاب حالت احرام میں منع ہے۔ مثلاً ناخن تراشنا، شکار کرنا، بال کتروانا وغیرہ

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فسوق سے مطلق معاصی مراد لینا ہی حق ہے اور یہی بہتر ہے۔

جدال کے معنی ہیں قتل کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنا۔ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کے مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں (۱) یعنی وقت کی تعیین اور اس کے مناسک میں اب کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کی وضاحت کر دی۔ مجاہد و سدی نے یہی تفسیر کی ہے اور ثبوت میں ایک روایت کو پیش کیا ہے۔

toobaafoundation.com

جو حضرت عبدالرحمن سے مروی ہے کہ اہلِ عرب موقفِ حج کے متعلق جھگڑا کیا کرتے تھے اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ ہمارا موقف ہی موقفِ ابراہیمی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس جھگڑے کو قطع کر دیا اور اپنے رسول کو مناسکِ حج سکھا دیئے۔ قاسم بن محمد فرماتے ہیں: جدال فی الحج کے یہ معنی ہیں کہ بعض لوگ کہیں حج کل ہوگا اور بعض کہیں نہیں آج ہوگا (۲) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جدال نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے ساتھی سے جھگڑا نہ کرو کہ اس کو بھی غصہ آجائے۔ ابن مسعود، عطاء، ابو العالیہ، عکرمہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے یہی تفسیر مروی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ عام مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔

مقصودِ بیان فحش و بدزبانی، جھگڑا، خصومت، گالی گلوچ اور دیگر معاصی سے دورانِ حج میں باز رہنے کی ہدایت، قوتِ شہوانیہ وغضبیہ کے اقتضائیات پورے کرنے کی ممانعت۔ اس امر کی طرف مخفی تنبیہ کہ عبادتِ الٰہی بغیر خلوصِ قلبی اور جذبۂ روحانیت کے بیکار ہے۔ اگر قوتِ روحانی مادی قوتوں سے مغلوب ہے اور ارکانِ عبادت یا شرائطِ عبادت کی ادائیگی نہ ہوسکی تو ایسی عبادت بے سود ہے۔ وغیرہ

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

اور نیکی کا کوئی کام کرو خدا اس کو جانتا ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں شر اور بدکاری سے بچنے کی ہدایت تھی۔ اس لئے آیت میں حصولِ خیر کے متعلق ترغیب دی جاتی ہے گویا نیکوکاری حاصل کرنے کی انتہائی تاکید کردی۔ کیونکہ بدی اور شر کی ممانعت سے خیر اور نیکی ویسے ہی لازم آتی ہے۔ پھر نیکی کی ترغیب بھی موجود ہے تو گویا حصولِ خیر کی تاکید ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ نیکی ہوسکے نہایت کوشش کرکے حاصل کرو، ہر عمل کی جزا ضرور یقینی ملے گی۔ کیونکہ ایامِ حج حصولِ قربتِ الٰہی کا زمانہ ہے۔ بابِ رحمت کھلا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس زمانہ میں اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ ہوتی ہے۔ بندہ کی کوئی نیکی اس کے دائرۂ علم سے خارج نہیں۔

مقصودِ بیان نیکی کرنے کی ترغیب، جزا کا وعدہ، علمِ الٰہی کی وسعت، کسی جزئی واقعہ کے بھی اس کے علم سے خارج نہ ہونے کی صراحت اور اس امر کی طرف اشارہ کہ آدمی کا مطمحِ نظر محض خیر ہونی چاہیئے۔ وغیرہ

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

اور زادِ راہ لے لیا کرو اور خرچ لینے میں سب سے بڑا فائدہ (سوال سے) بچنا ہے اور عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہو

تفسیر ایک یمنی قافلہ نے حج کا ارادہ کیا اور اپنے آپ کو متوکل کہتے ہوئے بلا زادِ راہ ساتھ لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے مگر مکہ میں پہنچے تو لوگوں سے سوال کرنے لگے اور حاجیوں کے لئے وبالِ جان بن گئے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ (بخاری ابو داؤد)

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ تم کو توشہ ہمراہ لے کر حج کو آنا چاہیئے اور اتنا سامان ضرور ساتھ لے لینا چاہیئے جو سفر کے لئے کافی ہو اور لوگوں پر بار نہ ہو۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے بروایت ابن عمر آیت مذکورہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کا دستور تھا جب احرام باندھتے اور زادِ راہ ہمراہ ہوتا تو پھینک دیتے اور از سرِ نو زادِ راہ مہیا کرتے۔ اس کی ممانعت کے واسطے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، شعبی، نخعی، سالم بن عبداللہ، قتادہ، ربیع اور سعید بن جبیر وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ مقاتل کہتے ہیں کہ جب تَزَوَّدُوْا نازل ہوئی تو ایک نادار مسلمان نے کھڑے ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو راہ کے توشہ کے لئے تو کافی چیز ملتی نہیں تو پھر کیا کریں۔ فرمایا صرف اتنا زادِ راہ فراہم کرلو جس سے لوگوں سے مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے لئے توشہ لینا ضروری ہے اور بہترین توشہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانے سے بچ جاؤ۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ آیاتِ مذکورہ بالا میں زادِ راہ ہمراہ لینا مذکور تھا یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ظاہری توشہ کافی نہیں ہے جو سفرِ حج کے لئے لوگ کیا کرتے ہیں۔

toobaafoundation.com

بلکہ حقیقی توشہ کی بھی ضرورت ہے۔ عقلمند ہو تو غور کرو کہ یہ میدان جو دنیا سے آخرت تک لمبا ہے اس کو قطع کرنے کے لئے بھی توشہ کی ضرورت ہے اور جس طرح حج میں اجتماع ہوتا ہے اسی طرح میدانِ قیامت میں (اجتماع) ہونا ہے۔ لہٰذا احکامِ الٰہی کی پابندی کرو، اوامر و نواہی پر کاربند ہو۔ خلوصِ قلبی سے عبادات ادا کرو اور اپنے اقوال و افعال اور اطوار میں غیر اللہ کا خیال چھوڑ دو صرف خوفِ خدا اور پرہیزگاری کو اپنے لئے زادِ راہ بناؤ۔

مقصودِ بیان

ظاہری اور باطنی توشہ ہمراہ لینے کا حکم۔ نورِ وحدت ہمراہ لے کر ازلیت کے اس لمبے بیابان کو طے کر کے ملکِ غیب کی سیر کی طرف ایماء، نورِ حق گم کر دینے سے ترہیب حالات، مشاہدہ و مراقبہ میں غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرنے کا حکم، اس امر کی وضاحت کہ توشہ بقدرِ ضرورت لازم ہے لیکن اس میدانِ حیات کو طے کرنے اور منزلِ قدس تک پہنچنے کے لئے کس توشہ کی ضرورت ہے۔ وہ باطنی توشہ یعنی شروع میں تمام معصیت آمیز امور سے کنارہ کشی کی جائے اور اوامر و نواہی پر عمل کیا جائے۔ اس سے آگے بڑھ کر دنیا کی تمام چیزوں سے دستبرداری دیدی جائے اور انتہا یہ ہو کہ اپنی ہستی کو بھی فراموش کر دیا جائے۔ گویا اب تمام عالم سے اجتناب و تقویٰ محض ذاتِ الٰہی کے لئے ہو گیا۔ حاصل یہ کہ محض رضا جوئی خالق نصب العین ہونا چاہیئے۔ اسی زادِ راہ سے اتنا لمبا سفر طے ہو گا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ

تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل (تجارتی نفع) طلب کرو

تفسیر

عکاظ، ذی المجنہ اور ذی المجاز مکہ کے اطراف میں تجارتی منڈیاں تھیں۔ عرب لوگ سالانہ ان میں جمع ہو کر لین دین اور دیگر کاروبار کی تکمیل کرتے تھے لیکن موسمِ حج کے زمانہ میں ہر قسم کی خرید فروخت سے پرہیز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ یادِ الٰہی کے ایام ہیں۔ اس خیال و رواج کے ابطال کے لئے آیتِ بالا نازل ہوئی (ابو داؤد بروایت ابن عباس)

مطلب یہ ہے کہ موسمِ حج میں اگر تم لوگ تجارتی کاروبار یا کرایہ وغیرہ سے رزقِ الٰہی اور فضلِ خداوندی کی تلاش کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یعنی مقصود تو رضائے مولا ہے۔ یہ امور اس میں حارج نہیں۔ پھر کیوں اور کس طرح ممنوع ہو سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان

تجارت کی ترغیب لیکن اکلِ حلال جس کو فضلِ رب سے تعبیر کیا ہے حاصل کرنے کی ہدایت۔ آیت میں اگرچہ بظاہر تجارت کی اجازت ہے۔ لیکن فضائل و محامد حاصل کرنے کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے جو ایسے ہی مجمع سے حاصل ہو سکتے ہیں فضلِ رب کا لفظ عام ہے جو ہر قسم کی خیر اور نیکی کو شامل ہے مثلاً تبادلۂ خیالات، اہلِ اسلام کے اتحاد کا مظاہرہ، باہم میل محبت اور تعلقات کی توسیع، پیغامِ اسلام اقوام کی ہدایت، ایک ملک کے مال کی دوسرے ملک میں فروخت اور پھر اس سے وہاں کے لوگوں کا بہرہ اندوز ہونا، مسلمانوں کے جمود کا علاج وغیرہ۔

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ

پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور جس طرح اس نے

كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ○

تم کو بتا دیا ہے ویسے ہی تم اس کی یاد کرو اگرچہ اس سے پہلے تم ناواقف تھے

تفسیر

درمیان میں کچھ احکام ذیلی بیان کر دیئے گئے۔ اب پھر احکامِ حج کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم عرفات سے چلو یعنی عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آ کر شب کو رہو اور صبح کو تڑکے سے منیٰ کو جانے لگو تو مشعر الحرام (مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کو قزح بھی کہتے ہیں) کے پاس

toobaafoundation.com

تکبیر و تہلیل کیا کرو اور اس بات پر خدا کا حمد و شکر ادا کرو کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے تم کو ہدایت اور آداب حج سکھائے۔ توحید خالص کی تعلیم دی اور جو شرک کی باتیں تم نے عبادت الٰہی میں طار رکھی تھیں اُن سے منع کیا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت مسعود بن مخرمہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں ہم کو خطبہ دیا حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ آگاہ رہو کہ مشرکوں کا قاعدہ تھا جب آفتاب پہاڑ کی چوٹیوں پر اس طرح نظر آتا تھا جس طرح مردوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو غروب سے قبل ہی مشرک و بُت پرست یہاں سے چل دیتے تھے لیکن ہم یہاں سے غروب آفتاب کے بعد چلتے ہیں۔ اسی طرح مشرک لوگ مشعر الحرام سے اس وقت چلتے تھے جب آفتاب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا نظر آنے لگتا تھا جیسا مردوں کے سروں پر عمامہ۔ لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے قبل ہی چلتے ہیں۔ ہماری راہ مشرکوں کی راہ سے علیحدہ ہے۔ اس حدیث کا تتمہ حضرت جابرؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ عرفات میں جب شام کا وقت ہوا اور سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو حضور والا اسامہ کو ردیف بنا کر قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر چلے۔ اونٹنی کی باگ اتنی کھینچتے تھے کہ اس کا سر کجاوہ کے اگلے حصہ سے لگ جاتا تھا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو آہستہ آہستہ چلنے کا اشارہ کرتے چلے جاتے تھے بالآخر مزدلفہ پہنچے وہاں نماز مغرب وعشاء کو ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا کیا پھر لیٹ رہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو اذان و اقامت کے بعد نماز فجر ادا کی اور فجر کی نماز پڑھ کر قصواء پر سوار ہو کر چل دیئے۔ مشعر الحرام کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی اور تکبیر و تہلیل و تحمید میں برابر مشغول رہے۔ یہاں تک کہ خوب اُجالا ہو گیا۔ اس کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو گئے۔ یہ مکمل حدیث كَمَا هَدٰىكُمْ کی تفسیر ہے۔

مقصود بیان ذکر و شکر، تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کا حکم اور اس امر کی صراحت کہ ہادی برحق خداوند تعالیٰ ہے۔ یہ بھی اسی کی ہدایت ہے کہ آداب عبادت مسلمانوں کو معلوم ہوئے۔ وغیرہ

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

پھر تم بھی وہیں سے واپس پھرو جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں اور اللہ سے طلب مغفرت کرو کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر قریش چونکہ کعبہ کے متولی اور کلید بردار تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے واسطے ہر بات میں کچھ امتیازی خصوصیات قائم کر رکھی تھیں اور کسی بات میں دیگر قبائل عرب کو برابر رکھنے کو اپنا ہتک خیال کرتے تھے۔ چنانچہ تمام عرب حج کے موقع پر جمع ہو کر قیام کرتے تھے اور قریش اپنی نخوت و غرور کے جذبہ کے ماتحت عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنے کو اپنے لئے توہین خیال کرتے تھے اس لئے عرفات سے ورے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے مکہ لوٹ آتے تھے۔ اس آیت میں اسی کی ممانعت کر دی گئی اور عرفات سے چلنے کا حکم دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اور لوگ عرفات سے لوٹ کر آیا کرتے ہیں تم بھی وہاں سے لوٹ آیا کرو۔ یہ نہیں کہ صرف حرم کی سرحد تک گئے، مزدلفہ میں قیام کیا اور خدا پرستی کے دعوے میں سرمست ہو کر یہیں سے لوٹ آئے۔ باقی اس عبادت میں جو فروگذاشت ہو جائے تو اس کی معافی کے لئے خداتعالیٰ سے دعا کرو۔ خدا بخشنے والا ہے۔ بخش دے گا مگر دانستہ تو ایسی حرکت نہ کرو کہ شرافت خاندانی یا کعبہ کے کلید بردار ہونے کے گھمنڈ میں اپنے کو دوسروں سے ممتاز سمجھنے لگو یہاں تک کہ طریق عبادت میں بھی تفریق کرنے لگو۔

مقصود بیان درس مساوات، کبر و نخوت کا استیصال اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ انسان سے عبادت میں حسب مرتبہ کوئی نہ کوئی قصور ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ عبادت سے فراغت کے وقت استغفار کیا کرے تاکہ جو فروگذاشت ہو گئی ہو وہ معاف ہی ہو جائے۔ وغیرہ

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ

toobaafoundation.com

تفسیر اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ اہلِ عرب دورِ جاہلیت میں جب مناسک و فرائضِ حج سے فارغ ہو جاتے تو بمقام منا مسجد و پہاڑ کے درمیان تین روز تک مجمع رکھتے اور ہر ایک اپنے باپ دادا کی خوبیاں فضائل قتل و غارت اور کثرت دخول کے واقعات، فتحمندیوں اور ظفریابیوں کے اعلان نام آوری اور شجاعت کا اظہار نہایت زور و شور سے کرتے تھے۔ فصیح نظم و نثر اور بلیغ عبارتوں میں ان کے مفاخر اور خاندانی تفوق برسرِ عام بیان کرتے تھے لیکن جب قرآن میں سے اُن کے دل منور ہو گئے اور سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس قبیح رسم کی بجائے تسبیح تہلیل تحمید تکبیر اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو اور جس گرما گرمی اور کثرت سے اپنے آباء و اجداد کا تذکرہ کرتے تھے اسی جذب شوق، شورِ محبت اور زور و ادب کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خدا کی یاد کیا کرو۔ کیونکہ اس رسم بد کی بنا تو جہالت اور قومی تعصب پر تھی اور اس کی کثرت میں حق کی مزاحمت اور صداقت کا ابطال ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ الخ یعنی مناسک و فرائضِ حج سے فارغ ہونے کے بعد جس کثرت اور شدتِ محبت سے اپنے آباؤ اجداد کی یاد کیا کرتے تھے ویسے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کی یاد کیا کرو۔

ابن جریج نے بروایت عطاء یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح بچہ اماں ابا کہتا ہے اور سوائے ماں باپ کی پکار اور یاد کے اس کا کوئی اور دھیان نہیں رہتا اسی طرح تم بھی ادائے مناسک کے بعد یادِ الٰہی کرو۔ اس کے دھیان سے غافل نہ رہو۔ ضحاک اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت ابن عباس سے بھی اسی قسم کی آئی ہے۔ یہ مطلب اگرچہ لطیف ہے لیکن شانِ نزول کے خلاف ہے۔ اسی لئے ہم نے پہلے مطلب کو اختیار کیا۔

مقصود بیان یادِ الٰہی کی کثرت، جذبِ عشق، کششِ عشق اور شورِ محبت کی ہدایت، قومی تعصب، بیجا حمیت اور رسومِ قبیحہ کو مٹا دینے کی طرف اشارہ، مفاخرِ آباء اور فضائلِ اسلاف کو اپنے لئے باعثِ شرف خیال کرنے کی ضمنی ممانعت۔ اکتسابِ محاسن اور ذاتی خوبیاں حاصل کرنے کا حکم۔ وغیرہ

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَ

بعض آدمی تو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب دنیا میں ہم کو دیدے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

بعض لوگ کہتے ہیں اے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور دوزخ کے عذاب سے

النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

ہم کو بچا انہی لوگوں کے لئے ان کے کئے کا اچھا حصہ ہے اور خدا جلد حساب لینے والا ہے

تفسیر ابن کثیر اور سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ کچھ دیہاتی موقف پر آکر دعا مانگتے اور کہتے کہ الٰہی اس سال بارش خوب برسا سبزہ اگا، اور رزق عطا کر اور اولاد کی کثرت کر۔ ان کی دعا میں آخرت کے مقاصد میں سے کوئی مقصد شامل نہ ہوتا تھا۔ انہی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ بعض لوگ تو صرف دنیا کے واسطے دعا مانگتے ہیں ان کوتاہ نظروں کے سامنے آخرت کی کوئی خوبی و بہتری قابلِ التفات نہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا الخ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو موقف پر جا کر دنیا و دین کی بہتری کی دعا مانگتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ دارین کی بہبودی کے خواہاں ہیں۔ ان کا ... صرف دنیوی منافع پر ہی مقصود نہیں ہے بلکہ یہ لوگ وسیع النظر ہیں۔ دنیوی منافع کے ساتھ ساتھ دینی فلاح کے بھی خواستگار ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ یہ مومنین کے نتیجہ کا بیان ہے یعنی

toobaafoundation.com

ان لوگوں کی کوشش سود مند ہے جو نیک اعمال اور فلاح دارین کی دعا یہ لوگ کرتے ہیں اس کی جزا ان کو ضرور ملے گی اور خدا تعالیٰ نیکوں اور بدوں کے اعمال کا حساب بہت جلد کرے گا اور عنقریب امتیاز ہو جائے گا کہ کون دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی کا جویاں تھا اور کس کی ہمت صرف دنیا پر منحصر تھی۔

مقصود بیان فلاح دارین کی دعا کرنے کی ہدایت اور دونوں جہان کی بہبودی حاصل کرنے کی کوشش کی طرف ضمنی اشارہ۔ اس امر کی صراحت کہ صرف دعا سے خیر و فلاح حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عملی طور پر اس کے حصول کی کوشش نہ کی جائے۔ اگر دنیوی فلاح پیش نظر ہے تو اس کے ذرائع و وسائل اختیار کرنے چاہئیں اور دینی مقاصد مرغوب خاطر ہیں تو عقائد و اعمال کی اصلاح لازم ہے۔ یہ درحقیقت انہی توکل اللہ پہ انیت کی تنقیح کی ہے۔ خود اعتمادی پیدا کرنے کا زریں پیام ہے اللہ قانون قدرت کا اس سے مظاہرہ کرنا مقصود ہے کہ ہر جزا عمل سے وابستہ ہے اور ہر نتیجہ کوشش پر موقوف ہے۔ ہاں خود اعتمادی اور کوشش کو موجب نخوت و غرور اور سبب انکار قدرت نہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ ہر چیز کا وجود سبب سے وابستہ ہے لیکن مسبب خدا تعالیٰ ہے اس لئے دعا کرنی بھی لازم ہے۔ ع۔ کسب کن پس تکیہ جبار کن

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور چند گنتی کے دنوں میں اللہ کی یاد کرو (رہا یہ) اب اگر کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو ٹھہرا رہا اس پر

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

بھی کچھ گناہ نہیں ہے (یہ) اس کے لئے ہے جو پرہیزگاری کرے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم کو اس کے پاس اٹھا کر جمع کیا جائیگا

تفسیر یہ آیات ایام تشریق کی تکبیرات کے وجوب کو ظاہر کر رہی ہیں۔ حاجی ۱۰ ذی الحجہ کو طواف وغیرہ کے بعد تین دن کے لئے منا میں جا کر ٹھہرتے ہیں اس لئے حکم ہوتا ہے کہ تشریق کے چند دنوں میں یاد الٰہی کیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ایام کھانے پینے اور یاد الٰہی کرنے کے ہیں (الصحیح)۔ فَمَنْ تَعَجَّلَ سے عَلَیْهِ تک عہد جاہلیت میں دو قسم کے آدمی تھے بعض لوگ تو صرف دو روز منا میں قیام کرنے اور رمی جمار کرنے کو واجب خیال کرتے تھے اور تیسرے دن وہاں ٹھہرنے کو گناہ جانتے تھے اور بعض لوگ تین دن ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور دو روز ٹھہرنے کو گناہ خیال کرتے تھے۔ ان دونوں فرقوں کی تردید میں آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایام تشریق کے صرف دو دن میں رمی جمار کر کے واپس چلا آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ اور جو شخص تیسرے روز بھی ٹھہرا رہے اور کنکریاں پھینکے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ لِمَنِ اتَّقٰی مگر یہ حکم صرف متقی اور مومن کے لئے ہے جو شرک سے احتراز رکھتا ہے اور جو لوگ مشرک ہیں یا حج میں ممنوعات سے انھوں نے اجتناب نہیں کیا ہے تو ان کو نہ دو روز ٹھہرنا مفید ہے نہ تین روز۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ لہٰذا تم کو خدا سے خوف کرنا اور شرک سے بچنا چاہیئے۔ خوب سمجھ لو کہ خدا کے سامنے جانا ہے وہی تم کو سزا جزا دے گا اور وہی تمہارا کل ہوگا۔

مقصود بیان ایام تشریق میں تکبیروں کا وجوب، گیارھویں یا بارھویں تاریخ کو منا سے واپس جانے کی اجازت۔ اس امر کی صراحت کہ اعتبار در حقیقت تقویٰ کا ہے جو شخص شرک سے پرہیز رکھتا ہے اور عقائد و اعمال کی اصلاح کرتا ہے اس کے سب اعمال مقبول ہیں اور جو شخص صرف رسم کی پابندی کرنے کے لئے عبادات خصوصاً افعال حج کرتا ہے اس کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ظاہر پرستوں کے خیالات کا ابطال ہے اور غلامانہ رسوائی کی ذہنیت کی صریح تردید ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کی باتیں دنیوی زندگی میں تم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی بات پر خدا کو گواہ بناتے ہیں

toobaafoundation.com

وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں۔ اور جب لوٹ کر جاتے ہیں تو زمین پر فساد پھیلانے اور زراعت و مویشی کو تباہ کرنے کے لئے دوڑے

وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

پھرتے ہیں حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے

بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے

تفسیر بقول سدی یہ آیت اخنس بن شریق زہری کے حق میں نازل ہوئی۔ اخنس نہایت دلکش صورت اور گوش نشین کلام کا مالک تھا باتیں نہایت شیریں کرتا تھا اور بظاہر مسلمان ہوگیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرب بڑھانے کے لئے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں حضور پر ایمان لے آیا ہوں اور مسلمانوں کا دلی دوست ہوں مگر دل میں یہ سخت ترین منافق تھا اور مسلمانوں سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ یہ حضور اقدس کے پاس سے یہ لوٹ کر جا رہا تھا۔ راستہ میں مسلمانوں کی کچھ کھیتیاں اور زمین جوتنے کے گدھے نظر پڑے۔ اس کمبخت نے کھیت جلا دیئے اور گدھوں کے کونچیں کاٹ دیں ان سب واقعات کو آیات مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے مگر آیات کا حکم عام ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بعض لوگ ایسے ہیں کہ دنیوی زندگانی میں ان کا کلام تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ بڑے شیریں کلام خوش گو نظر آتے ہیں۔ وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہم آپ سے دل سے محبت کرتے ہیں اور جو زبان سے کہتے ہیں وہی ہمارے دل میں بھی ہے۔ ہمارا ظاہر و باطن موافق ہے۔ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ حالانکہ حقیقت میں وہ تمہارا اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ تم سے اور مسلمانوں سے بہت زیادہ خصومت رکھتا ہے۔ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا اور جب تمہارے پاس سے اٹھ کر جاتا ہے تو ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دل سے سعی کرتا ہے کہ تم کو تباہ کر دے وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ اور تمہاری کھیتیاں اور کھیتوں کے جانوروں کی نسل کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ یعنی زراعت کو اجاڑنا اور زراعت کے جانوروں کو ہلاک کرنا اس کے فساد کا ثبوت ہے۔ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ مگر خدا پسند نہیں فرماتا کہ اس کی زمین پر تباہی اور بربادی پھیلے اور لوگوں کا امن وچین برباد ہو اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے۔ بلکہ اس کو امن و آشتی، اصلاح و عافیت پسند ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کر، اس بدکاری سے باز آجا، ملک میں تباہی نہ پھیلا اور لوگوں کے امن کو تباہی و غارتگری سے تبدیل نہ کر أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ تو اس کی حمیت کبر اور غیرت جاہلانہ جوش میں آجاتی ہے اور مزید گناہ کرنے پر اس کو ابھار دیتی ہے۔ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ایسے آدمی کی سزا کے لئے جہنم بہت کافی ہے۔ وہ یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس کی سزا نہ دے گا۔ خدا ضرور اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بدترین مقام ہے۔ ایسے ہی منافق اور سرکش لوگ وہاں داخل ہوں گے اور رہیں گے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی حالت کا انکشاف، دنیا میں تباہی پھیلانے اور ملک میں فساد انگیزی کرنے کی ممانعت، صلح و آشتی اور امن چین کا اعلان عام، مفسدان عالم اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرنے والوں کے سر پر ایک پتھر شکن ضرب، کھیتیاں اجاڑنے اور کھیتی کے جانوروں کو خواہ مخواہ ہلاک کرنے کا قطعی امتناع، اس امر کی وضاحت کہ بعض جاہل بدعت کوش اپنے آپ کو عالم اور نور معرفت سے آراستہ ظاہر کرتے ہیں اپنی جاذب نظر صورت اور دلکش شیریں مقالی کے ذریعے مومنین کو حق سے روکتے گمراہی کی طرف کھینچتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ لمبی ڈاڑھی، پاکیزہ شکل، عالمانہ یا صوفیانہ لباس پھر اس پر تسخیر کن گفتگو اور دلنشین وجاہت یہ سب ان کے آلات حرب ہوتے ہیں اور اسی سامان کی بدولت وہ مومنوں کے دلوں کو فتح کر لیتے ہیں اور بھولے بھالے پاک طینت مومنوں کو اپنا معتقد بنا کر ان کا مال اڑاتے ہیں۔ یہ نہایت بدطینت لوگ ہیں۔ مسلمانوں کے اور اسلام کے

toobaafoundation.com

سخت ترین دشمن ہیں۔ بظاہر تو یہ اپنی شب بیداری، ورم آلود پاؤں، زرد چہرے، لمبے چغے اور زیر ناف ڈاڑھی کو اپنی صفائی باطن اور نور ہدایت کا گواہ بناتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی تباہی، اسلام کی بربادی اور خدا کی زمین پر فتنہ و فساد کا بیج بونے میں کمی نہیں کرتے۔ یہ لوگ نفس کے بندے اور ہوا و ہوس کے غلام ہیں۔ اعاذ اللہ المسلمین منہم۔ یہ ہیں بے عمل شرارت انگیز مولوی، جاہل مزار پرست صوفی شیطان کے چیلے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں، جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان دیدیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی شفیق ہے

تفسیر

خدا تعالیٰ نے درحقیقت چار فرقوں کا بیان کیا ہے۔ پہلا فرقہ تو وہ تھا جو صرف دنیا کا طالب تھا۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی طلب دنیا بس اس کی نظر مقصود تھی۔ ان کوتاہ نظر لوگوں کا بیان تو فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا وماله فی الاٰخرۃ من خلاق میں ہوگیا۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جو دنیا کا بھی طالب تھا اور دین کا بھی یعنی دنیوی اسباب اور مال و متاع کی بھی ان کو طلب تھی تاکہ آخرت کی تیاری میں کوئی نقصان نہ واقع ہو ان لوگوں کا بیان ومنہم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار میں ہوگیا۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جو ظاہر میں آخرت کا طالب تھا اور باطن میں اس کا مرکز طلب صرف دنیوی نفع تھا۔ یہ لوگ منافق تھے۔ ان کا بیان ومن الناس من یعجبک قولہ میں ہوگیا۔ چوتھا فرقہ وہ تھا جو مخلص و صادق تھا۔ اپنا جان مال خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے صرف کرتا تھا۔ اور پھر بھی شرمسار رہتا کہ یہ ہدیہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس فرقہ کا بیان آیات مذکورہ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول بھی اگرچہ خاص ہے۔ لیکن چونکہ خصوصیت سبب سے حکم میں خصوصیت نہیں پیدا ہوتی اس لئے آیت کا حکم عام ہے۔ تمام انصار و مہاجرین بلکہ مسلمانانِ امت بھی اس حکم میں شریک ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت سعید بن مسیب بیان کیا ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بن سنان مکہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ کو آنے لگے تو مشرکین قریش نے ان کا پیچھا کیا اور راستہ میں آگھیرا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور ترکش سے تیر نکال کر بولے اے جماعت قریش جانتے ہو کہ میں مشہور تیر انداز ہوں، اگر تم نے مجھ تک آنا چاہا تو پہلے اپنے ترکش کے سارے تیر خرچ کروں گا پھر تلوار سے جہاں تک قوت کام دے گی تم کو قتل کروں گا۔ جب تھک جاؤں گا اس وقت تم مجھ کو پکڑ سکو گے لیکن اس میں تمہاری سیکڑوں لاشیں زمین پر تڑپتی نظر آئیں گی اس لئے بہتر یہ ہے کہ واپس چلے جاؤ۔ ہاں اگر مال کی طلب ہے تو مکہ میں جہاں جہاں میرا مال ہے سب بتائے دیتا ہوں جا کر لے لو۔ کفار اس بات پر راضی ہوگئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ان کو سارا مال بتا کر مدینہ کو چل دیئے۔ ادھر مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ صہیب نے بڑی سود مند تجارت کی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے قبل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جماعت صحابہ کے ساتھ حرہ تک ان کے استقبال کے لئے آئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی جماعت سے ملاقات ہوئی تو سب لوگوں نے کہا آپ کی تجارت بہت سود مند ہوئی۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ خدا کرے آپ کی تجارت بھی نافع ہو اور کبھی خسارہ نہ ہو لیکن حقیقت تو بتائیے کیا بات ہے؟ لوگوں نے نازل شدہ آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ یہ آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی فروخت کر ڈالتے ہیں اور جان کے عوض رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں سو ان پر خدا بھی مہربانی کرتا ہے۔ کیونکہ ان بندوں پر خدا رحم کرتا ہے جو ماسوا اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا کا حق عبودیت ادا کرتے ہیں اور جان و مال کی پرواہ نہیں کرتے۔

مقصود بیان

محبت خدا و رسول اور ثبات اسلامی کی ترغیب حیات ابدی حاصل کرنے کے لئے بدل و جان کوشش کرنے کی طرف اشارہ، دنیا اور موجودات دنیا یہاں تک کہ اپنی جان کو بھی رضائے مولا میں قربان کر دینے کی صراحت اس امر کی وضاحت کہ جو خدا کا ہو جاتا ہے اور حق عبودیت ادا کرتا ہے۔ خدا بھی ان پر مہربانی کرتا ہے یعنی رافت و رحمت الٰہی کا سبب جذبہ طاعت و عبودیت ہے۔

toobaafoundation.com

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ

مسلمانوں اسلام میں پورے پورے آجاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو

إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ فَإِن زَلَلْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ

کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے پھر اگر کھلی کھلی نشانیاں آچکنے کے بعد بھی تم نے لغزش کی

فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

تو جانے رہو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ بعض لوگ مرضیاتِ الٰہی کے طالب اور پختہ مومن ہیں۔ بعض بظاہر مومن اور بباطن میں منافق ہیں۔ اس آیت میں مومنین اہلِ کتاب کو (ابروایت ابن عباس رض) تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ رسولِ اطہر کے تمام احکام و شرائع کا اتباع ظاہر و باطن ہر صورت میں کرنا چاہیئے تاکہ عمل میں کوئی نفاق کا شبہ بھی باقی نہ رہے۔ حضرت عکرمہ سے ابن کثیر نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن یامین، اسد بن کعب، اسید بن کعب، اسعید بن عمر، قیس بن زید وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ لوگ پہلے یہودی تھے جب مسلمان ہو گئے تو ان میں سے بعض کو خیال پیدا ہوا کہ اگر حالتِ اسلام میں ہم سنیچر کی عظمت چھوڑ دیں گے تو خوف ہے کہیں ویسا عذاب نہ نازل ہو جائے جو حضرت داؤد کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اسی طرح توریت پر عمل نہ کرنے سے بھی ان کو عذابِ الٰہی کا خوف ہوا اس لیے انھوں نے حضورِ والا سے ایک روز عرض کیا یا رسول اللہ ہم پہلے ہفتہ کے دن کی عظمت کیا کرتے تھے اب بھی ہم کو اس کی تعظیم کرنے کی اجازت دیدیجیے۔ اس کے علاوہ ہمارے لئے یہ بھی مباح فرما دیجئے کہ ہم رات کی عبادت میں توریت کی تلاوت کیا کریں۔ اس وقت یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

سِلم سے مراد ابن عباس، طاؤس، ضحاک، عکرمہ، قتادہ، سدی اور بعض دیگر علماء کے نزدیک اسلام ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے فرمانبرداری اور اطاعت کے معنی بھی لئے ہیں۔

كَآفَّةً کے معنی ابن عباس رض نے سب لوگ لکھے ہیں اور مجاہد کے نزدیک كَآفَّةً سے مراد تمام اعمال و افعال ہیں۔

بہرحال آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام و مسائل کو ماننا لازم ہے۔ اوامر پر عمل اور نواہی سے امتناع ضروری ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ جن احکام کو دل چاہا مانا، نہ دل چاہا نہ مانا۔ گزشتہ شریعتوں کے احکام اسلامی احکام کے مقابلہ میں واجب العمل بلکہ جائز بھی نہیں رہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ تم کو ہرگز احکامِ الٰہی میں تفریق نہ کرنی چاہیے۔ اسلام کے کل سہام یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر خیر، نہی عن الشر وغیرہ پر نہایت کوشش کے ساتھ کاربند رہنا چاہیئے۔ گزشتہ شریعت کے احکام کی طرف اسلامی احکام کے مقابلہ میں میلان نہ چاہیئے کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے اور شیطان مومنوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ مگر اس کی دشمنی دیکھنے کے لئے ایمان کی آنکھیں اور دماغ کی روشنی چاہیئے۔ فَإِن زَلَلْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ اب اگر آیاتِ عقلیہ معجزاتِ نبویہ اور آثارِ فطرت دیکھنے کے بعد بھی تم نے لغزش کی، حقانیتِ اسلام کے ثبوت کے بعد بھی احکامِ اسلامی سے تم نے عدول کیا تو تم سے انتقام لیا جائے گا اور سوءِ افعال کی سزا دی جائے گی اور تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ ہم دنیا میں موجود ہیں ہم کو کس طرح سزا دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ سزا دینے پر بڑی قدرت رکھتا ہے۔ سب پر غالب ہے۔ کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ نہیں سکتا اور کوئی زبردست طاقت والا اس پر غالب نہیں آسکتا اور اگر عذاب میں دیر ہو جائے تو اس سے دلیر مست ہو جاؤ اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ حکیم ہے حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

مقصودِ بیان تمام اسلامی احکام پر کاربند رہنے کی ہدایت، کتبِ سابقہ کے احکام پر اسلامی احکام کے مقابلہ میں عمل پیرا ہونے کی ممانعت، عداوتِ شیطان کی صراحت، باوجود علم کے عمل نہ کرنے پر سخت وعید، قدرتِ الٰہی کے غیر متناہی اور لامحدود ہونے کی طرف ایماء، اہلِ بصیرت کے واسطے کامل نصیحت، رضا بقضا کی تعلیم تقدیری امور پر اظہارِ اطمینان سکون و اسلام اطاعت و انقیاد اور قدرتِ الٰہی کے سامنے رشتہ مدگردن ہونے کا حکم کامات

toobaafoundation.com

سے روگردانی، اسباب کی طرف سے بے التفاتی اور تمام رنج و راحت، غم و خوشی، دُکھ اور سُکھ میں ثابت القلب اور ساکن باللہ رہنے کا امر وغیرہ۔

شیخ ابوعثمان کا قول ہے کہ آیت فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے حق تعالیٰ کو بصفت الوہیت پہچان لیا اور یقین کر لیا کہ وہی الٰہ برحق اور معبود مطلق ہے اس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ وہی تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے۔ لیکن اس جاننے کے باوجود اگر اس شخص نے مدارج قرب کو چھوڑ کر مادی اور نفسانی مراتب کی طرف رجوع کیا تو اس نے شرک کیا اور اس کا یہی عذاب ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو قرب اور مشاہدہ سے محروم کر دے اور اپنے اسرار کا حامل نہ بنائے۔ اگرچہ عبادت میں یہ شخص اپنے آپ کو فنا کر دے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ

کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ ابر کے سائبانوں میں اللہ اور فرشتے ان کے پاس آ جائیں اور کام ہی تمام کر دیا جائے

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَ

اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے (اے محمدؐ) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ ہم نے انکو کس قدر واضح نشانیاں دیں اور

مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

جو شخص اللہ کی نعمت مل چکنے کے بعد اس کو بدل ڈالے تو یقیناً اللہ کا عذاب سخت ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں وعید و عذاب کا تذکرہ آ گیا تھا اور احکام اسلامی سے انحراف کرنے پر سزا کی وعید تھی۔ اس آیت میں احکام اسلامی سے سرتابی کرنے والوں کے لئے دہشت انگیز وعید ہے خصوصیت کے ساتھ وہ سرکش متمرد یہود جنہوں نے اپنی نخوت سے موسیٰ کے زمانہ میں ہی قبولِ توریت اور احکامِ توحید سے اعراض و انحراف کیا تھا ان کی طرف خصوصی اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ جو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ لوگ تو صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ خدا تعالیٰ خود اپنے فرشتوں کو لے کر بادلوں میں آ جائے اور اسلامی احکام کی خود تبلیغ کرے تب شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ حالانکہ جو فیصلہ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ حقانیتِ اسلام کے دلائل پیش کیے جا چکے۔ براہینِ عقلی اور معجزاتِ نبوی بھی ظاہر کر دیئے گئے۔ اب یہ یقینی امر ہے کہ ماننے والے کو ثواب، نہ ماننے والے کو عذاب ہوگا اور سب کے سب خدا کے پاس جائیں گے۔ وہی ان کے حساب کتاب اور ثواب عقاب کا مالک ہے۔ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ یعنی جو ازلی شقی ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لا سکتے۔ دیکھو ہم نے بنی اسرائیل کے سامنے کس قدر دلائلِ واضحہ بیان کئے۔ مثلاً دریائے نیل کو ان کے لئے خشک کیا۔ سمر یان کو فتح دی۔ خدا کی آواز سننی چاہی تو ان کو آواز سنائی۔ من و سلویٰ کو ان کے لئے نازل کیا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ نعمتوں کے شکر کے بجائے کفران کیا۔ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص خداداد نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے دلائلِ واضحہ اور ثبوتِ فطری کے باوجود کفر کرتا ہے تو خدا اس کو عذاب دیتا ہے اور معمولی عذاب نہیں بہت سخت عذاب کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ خدا تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

مقصودِ بیان شانِ باری تعالیٰ میں گستاخی کرنے پر سخت وعید اس بات کی طرف اشارہ کہ ثبوتِ حقانیتِ اسلام کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں اور نہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ خود آکر بادلوں کے پردے میں بولے۔ بلکہ کسی چیز کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل اور فطری ثبوت کافی ہیں۔ عقلی دلائل اور فطری ثبوت کو نہ ماننے والے ازلی شقی ہیں۔ نورِ عقل و معرفت سے بے بہرہ ہیں اس لئے مستوجب عذاب ہیں۔ اسلامی اصول و احکام کے موافق عقل ہونے کی طرف لطیف اشارہ کیا گیا ہے اور اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے کہ دینِ الٰہی فطری ہوتا ہے۔ لیکن کورِ عقل والوں کو نہیں سوجھتا۔

toobaafoundation.com

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

کافروں کے لئے دنیوی زندگانی (چونکہ) آراستہ کی گئی ہے (اس لئے) یہ مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

قیامت کے روز ان سے اونچے درجہ پر ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایات ہیں ا۔ (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکینِ مکہ مثلاً ابوجہل وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جو مال و دولت پہ نازاں تھے اور اس متاعِ فانی پر اترا کر فقراء اہلِ ایمان مثلاً عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، صہیب، بلال اور خباب وغیرہ پر ہنستے تھے۔ سیوطی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ گویا یہ آیت واقعۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ بدر میں ابوجہل کا انتقال ہوگیا تھا (۲) قتادہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا یہ منافق طبقہ دنیوی عیش و عشرت کے نشہ میں سرگراں ہوکر مفلس مہاجرین سے مذاق کرتے تھے اور کہتے تھے دیکھو محمد انہی کے ساتھ غالب ہونے کا گمان رکھتے ہیں (۳) عطا کا قول ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی سرداران کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین سے استہزاء کرتے تھے خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ بغیر لڑائی کے تم کو ان یہودیوں کا مال عطا کیا جائے گا۔ (معالم التنزیل)

بہرحال آیت سے عام کفار مراد ہیں جو دنیوی ثروت و جاہ و مال و منال میں سرمست ہوکر مفلس مسلمانوں کو ستانے اور ان پر آوازے کستے ہیں۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ توحیدِ الٰہی، رسالتِ محمدی، قرآن اور سزا جزا وغیرہ کے منکر ہیں صرف اسی فانی زندگی کے عیش و آرام پر اپنی نظر کو مقصور رکھتے ہیں۔ اپنے مال کو مصارفِ واجبی میں خرچ نہیں کرتے بلکہ وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مسلمانوں پر آوازے کستے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دنیوی زندگی بظاہر آراستہ پیراستہ کردی گئی ہے، لیکن زوال پذیر اور قریب الانقطاع ہے۔ اس لئے اس کو باطنی زینت حاصل نہیں ہے صرف آزمائش و امتحان ہے۔۔۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ باطنی آرائشگی کے مالک مسلمان ہیں۔ قیامت کے دن مومنوں کے درجات بہت بڑھ چڑھ کر ہوں گے اور کفار نہایت ذلت و پستی میں ہوں گے۔ مسلمان دنیا میں اتقاء نفس سے گزارا کرتے ہیں)۔ لہو و لعب عیشِ طرب ان کے لئے جاذبِ توجہ اور دلکشی کا سامان مہیا نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ دنیوی جائز مال سے اگرچہ پرہیز نہیں کرتے مگر محبتِ مال سے ضرور سبکدوش ہوتے ہیں۔ ان کی اصلی غرض شرک و کفر سے اجتناب کرنا ہے۔ کفار کو اپنے مال و دولت پہ نازاں نہ ہونا چاہئے کیونکہ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب نعمت عطا فرماتا ہے۔ دین میں تو مسلمانوں کے لئے لازوال نعمتیں ہیں ہی لیکن ممکن ہے کہ کافروں کا یہ سب مال مومنوں کی ملک میں آجائے۔ مال دنیا تو خدا کے اختیار میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

مقصودِ بیان دنیا کے فانی اور زائل ہونے کی طرف اشارہ، اموالِ دنیوی اور جاہ و دولت واقعی ظاہری آرائشگی اور شیطانی گمراہی کے اسباب ہیں، اس کی طرف لطیف تلمیح، مسلمانوں کو تسکین و تشفی، دنیوی کامیابی اور فلاحِ آخرت کا وعدہ، اس امر کی صراحت کہ تمام اسباب مسببِ مطلق کے ہاتھوں میں ہیں جدھر چاہتا ہے اسبابِ راحت کو پھیر دیتا ہے، کسی کو نادار مفلس اور فقیر جان کر مذاق کرنے کی ممانعت، اتقائے نفس کی فضیلت، دنیا کی ناپائیداری کی تصویر وغیرہ۔

قف

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ

لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر اللہ نے انبیاء کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر اور ان کے ساتھ

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

سچی کتاب بھیجی تاکہ جس بات میں لوگ اختلاف کریں اس میں خدا تعالیٰ فیصلہ کردے اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی

toobaafoundation.com

إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ

تھی وہی لوگ اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو وہ راہِ حق

آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

دکھائی جس میں اُن لوگوں نے اختلاف کر رکھا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

تفسیر گزشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ دنیوی مال و متاع کو باعثِ فخر خیال کرنا اور موجبِ ہدایت جاننا غلطی ہے۔ ہدایت اس مال پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہدایت کے اسباب ہی اور ہیں۔ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ دنیوی رزق در روزی میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھ لینا کہ ہم خدا کے منظورِ نظر ہیں غلط ہے۔ کیونکہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ابتدائے فطرت میں تو سب لوگ فطری طور پر ایک ہی خیال کے آدمی تھے۔ خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ہوا و ہوس اور دنیوی لذائذ کو ہیچ سمجھتے تھے۔ لیکن نسلِ انسانی زائد ہوئی تو لوگوں نے باہم تفرقہ شروع کر دیا۔ حقیقی نور کم ہوتا گیا۔ لوگ طبیعت و ہوس کے بندے ہو کر ٹیڑھے راستوں پر چلنے لگے، اوہام پرستی، شہوت رانی اور تعصب و جہالت نے ان کی عقل کو کمزور کر دیا۔ کوئی کسی طرف جانے لگا کوئی کسی طرف فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ تو خدا نے اپنے اسرارِ معرفت کے واقف کار لوگ بھیجے جو احکامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچا سکیں اور لوگوں کی تمام کجراہیوں کو دور کر کے عدالت کا ایک سیدھا راستہ قائم کر دیں۔ سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو خوشنودئ خدا اور دائمی نجات کی خوشخبریاں دیدیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذابِ سرمدی اور قہرِ الٰہی سے ڈرائیں۔ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ اور خدا نے اپنا قانونِ عدالت بھی ان کو عطا فرمایا جو بالکل ٹھیک اور صحیح تھا۔ نہ افراط کی جانب مائل تھا نہ تفریط کی طرف۔ بعض انبیاء کو مستقل کتاب دی، بعض کو صحیفے دیئے اور بعض کو گزشتہ شریعت کی تجدید کا حکم دیا۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ تاکہ ہر نبی لوگوں کے اختلافی مسائل میں کتابِ آسمانی کے موافق فیصلہ کر دیا کرے اور تمام لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ لیکن جن پر نفسانیت اور گمراہی غالب تھی وہ کھلی کھلی آیات و دلائل دیکھنے کے باوجود صرف سرکشی اور باہمی قومی کے حدِ اعتدال سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے مخالف رہے اور کتابِ الٰہی کے احکام و عبارت میں باہم اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ عبارتیں بدل ڈالیں، معنی میں غلط اور رکیک تاویلیں کیں۔ سیدھے سادے حکم کو توڑ مروڑ کر کے اپنے مطلب کے موافق بنانے کی کوشش کی۔ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ لیکن خدا نے اپنے فضل و عنایت سے اختلافی امور میں ایمانداروں کو سیدھا راستہ بتا دیا اور جو واقعی حق تھا اس کا انکشاف ان پر کر دیا کیونکہ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ خدا تعالیٰ مختار ہے جس کو چاہتا ہے اعتدال کا راستہ بتاتا ہے۔ افراط و تفریط سے منع کرتا ہے اور روکتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی اور کجروی میں چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں۔

مقصودِ بیان تمام عالم میں شروع میں توحید کامل تھی لیکن انسانوں نے اپنے ہوا و ہوس اور شہوت و غضب کے ماتحت کجراہی اختیار کی۔ انسانی عقل راہِ راست اور قانونِ عدالت تلاش کرنے سے قاصر ہے۔ ہر شخص کی عقل اور رائے جدا ہے۔ خالص عقل کا جذباتِ نفس سے اقیاد ناممکن ہے اس لئے کچھ واقفِ اسرار بندوں کو خدا نے بھیجا جن کے دو رُخ تھے۔ ایک روشن روحانی دوسرا تاریک مادی۔ روحانی روشن رُخ میں چونکہ فیضِ خدا کے قبول کرنے کی قابلیت تھی کہ اسی سمت سے ان کو قانونِ عدل ملا۔ انھوں نے اس قانونِ عدل کے موافق تاریک سمت والوں کے اختلاف مٹانے کی کوشش کی۔ اختلاف عموماً اور دینی تفرقہ خصوصاً بڑی بلا ہے۔ دنیا میں گمراہی کبھی اختلاف و عناد کی وجہ سے پھیلی۔ خدا نے ہر زمانہ میں اس تفرقہ حق و باطل کے واضح کرنے کے لئے انبیاء و کتب بھیجے۔ ہادئ برحق خدا ہے۔ نہ جو کسی کو موحد بنا سکتا ہو نہ کتبِ آسمانی۔ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت و سعادت تھی وہ تفرقہ سے کنارہ کش ہو کر راہِ راست پر آگئے اور جو فطری راہ راست اور سے منحرف تھے وہ بدستور گمراہ رہے و غیرہ۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم

مسلمانو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ گزشتہ لوگوں کی سی حالت تمہیں ابھی پیش نہیں آئی۔

toobaafoundation.com

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

انھیں سختی بھی پہنچی اور تکلیفیں بھی اور اُن کو جھڑجھڑا دیا گیا یہاں تک کہ رسول اور رسول کے ساتھ والے مومن (گھبرا کر) کہنے لگے

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

کہ اللہ کی مدد کب ہوگی (ہم نے کہا) سنو اللہ کی مدد قریب ہی ہے

تفسیر اس آیت میں مسلمانوں کو صبر و توکل ثابت قدمی، تحمل، مصائب جسمانی و مالی تکالیف اُٹھانے کی ترغیب اور دنیوی ناکامی سے بد دل نہ ہونے کی ہدایت، طلب مولا، امر حق اور استحقاق آخرت کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے شان نزول دو بیان کئے گئے ہیں۔ سدی و قتادہ کے نزدیک تو یہ آیت غزوۂ خندق کے متعلق نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو مشقت و تکلیف دشمنی کا خوف، موسمی سردی، تنگدستی اور اسباب معیشت کی تنگی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور مسلمان ہر قسم کی اذیت میں مبتلا تھے۔

شیخ ابن کثیر اور علامہ سیوطی کا مختار یہ ہے کہ جنگ احد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ رسول پاکؐ مع صحابہ کے جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ کو تشریف لائے اور کل مال و اسباب مکہ میں ہی رہ گیا جس پر کافروں نے قبضہ کرلیا تو ان کو بڑی دشواری اور تکلیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پھر یہاں پہنچ کر تنگدستی اور افلاس میں بھی اطمینان نصیب نہ ہوا۔ مدینہ کے یہود مخالف تھے اور ہر وقت نقصان پہنچانے کے کوشاں تھے۔ کچھ منافق تھے بظاہر دوست اور دل میں سخت ترین دشمن۔ چونکہ کفار کے حملوں کا خوف قبائل عرب الگ برسرپیکار نظر آتے تھے اس وقت مسلمانوں کو تسکین و اطمینان دلانے کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ طلب حق اور استحقاق آخرت بغیر تکلیف برداشت کئے ناممکن ہے تم ویسے ہی ثواب آخرت اور نجات ابدی حاصل کرنی چاہتے ہو صرف ایمان لانا ہی ابدی زندگی حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنی چاہئے۔ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ ابھی تم پر وہ مصائب و شدائد نہیں آئے جو گزشتہ انبیاء اور ان کے فرمانبرداروں پر آچکے ہیں۔ وہ آروں سے چیرے گئے، آگ میں جلائے گئے اُن کے گھر بار لوٹ لئے گئے۔ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ فقر و فاقہ، افلاس و ناداری اور اس پر جسمانی تکالیف میں وہ لوگ مبتلا ہوئے مگر راہ حق پر ثابت قدم رہے۔ وَزُلْزِلُوْا بلکہ اُن پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ بُرا حال ہوگیا۔ مصیبتوں نے ان کے دل کو ہلا دیا۔ بدنی قوتوں میں لرزہ پیدا کیا۔ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۔۔۔ اور وہ ایسے بے قرار ہوئے کہ باوجودیکہ انبیاء کو اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کو امداد الٰہی کا یقین تھا۔ لیکن اضطراری حالت میں پکار اُٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی اور کب ہماری ان تکلیفوں کا خاتمہ ہوگا۔ بالآخر غیب سے ان کو بشارت ہوئی اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ اور اُن سے کہہ دیا گیا کہ یقین رکھو اور مطمئن ہو جاؤ کہ مدد الٰہی اور ظفر و کامرانی عنقریب آئے گی اور ان تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مقصود بیان مسلمانوں کو تسکین و تشفی، جہاد کرنے اور ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے کی ہدایت، صبر و تحمل، توکل و ثبات، کوشش و جانبازی کی ترغیب، اس امر کی صراحت کہ بغیر تکالیف برداشت کئے اور بلا تحمل و مصائب کے عیش و راحت مل نہیں سکتی۔ یہ بھی ایک امر واضح ہوتا ہے کہ مدد الٰہی بھی اس شخص کے شامل حال ہوتی ہے جو اپنی مدد خود کرتا ہے۔ آیت سے اس بات پر بھی ایک ضمنی استدلال ہوسکتا ہے کہ دنیا کے کل مصائب جسمانی و مالی تکالیف سب خداوند تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہیں جو مسلمانوں کا استقلال و تحمل آزمانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ کون مصائب پر صابر رہتا ہے اور کون راہ حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

(اے محمدؐ) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تم اُن سے کہہ دو کہ جو کچھ مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کو رشتہ داروں کو

toobaafoundation.com

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○

یتیموں کو محتاجوں کو اور مسافروں کو دو اور تم جو کچھ نیکی کرو گے اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عمرو بن جموح نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم کیا چیز (کارِ خیر میں) صرف کریں اور کس کو دیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا سوال کے دو حصے تھے۔ ایک یہ کہ کونسی چیز صرف کریں۔ اونٹ، گائے، بکری، روپیہ پیسہ، غلہ، کپڑا۔ دوسرا حصہ یہ تھا کہ کس مصرف و محل میں خرچ کریں۔ خدا تعالیٰ نے دونوں سوالوں کا جواب آیت میں دے دیا۔ پہلے حصہ کا ضمنی اور دوسرے کا صریحی۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا چیز صرف کریں۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ تم اُن سے کہہ دو کہ جو فائدہ کی چیز تم صرف کرو کپڑا ہو یا غلہ یا جانور یا روپیہ پیسہ وغیرہ بہرحال جو مفید چیز ہو اور اس کو تم راہِ خدا میں صرف کرنا چاہو۔ یہ سوال کے پہلے حصہ کا ضمنی جواب ہو گیا۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ تو اپنے نفس و اولاد کے ضروری مصارف کے بعد والدین کو، قرابتداروں کو اور ان یتیم بچوں کو جو نابالغ ہوں اور سر سے شفقتِ پدری کا سایہ اُٹھ گیا ہو پھر ان مسکینوں کو دو جو محتاج ہوں یا ان کو بقدرِ کفایت نہ ملتا ہو پھر ان مسافروں کو جو زادِ راہ خرچ ختم ہو جانے کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہوں اگرچہ گھر پر دولتمند ہوں۔ یہ سوال کے دوسرے حصہ کا صریحی جواب ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ خلاصہ یہ کہ جو کچھ تم نیکی کرو گے، حلال مال راہِ خدا میں صرف کرو گے خدا اس سے بخوبی واقف ہے تمہارا دیا ہوا ضائع نہ جائے گا جزا یقینی ملے گی۔

ہدایتِ خاص یہ حکم نفل صدقات کا ہے۔ یہاں سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ تو ماں باپ کو دینی جائز نہیں ہے پھر کس طرح والدین کو دیں۔ مطلب یہ ہے کہ خیرات کے یہ مصارف ہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف دوسری جگہ بیان کیے گئے ہیں۔

دو امر اور بھی آیت سے معلوم ہو گئے۔ اول یہ کہ صدقات و خیرات میں زیادہ قابلِ توجہ چیز قابلِ مصرف و محل کا لحاظ ہے۔ اگر مصرف کی موزونیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو خیرات ضائع یا قلیل الاجر ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ کیا چیز دینی چاہیئے اس کا تعین تو انسان کی ہمتِ وسعت پر موقوف ہے اور اس امر پر اس کا دارومدار ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت کتنی ہے۔ انسان میں جتنی وسعت ہو اور جتنی خدا سے محبت ہو اتنا دینا چاہیئے۔ ہاں مذکورہ مصارف میں صرف کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

مقصودِ بیان خیرات و صدقات کی ترغیب، مستحقین کے حقوق کی ترتیب، مذکورہ مصارف کے علاوہ بھی ہر نفقۂ خیر کی اجازت اور ثواب کی صراحت اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ درحقیقت قابلِ دریافت یہ بات ہے کہ کہاں صرف کیا جائے۔ خیرات کس کو دی جائے۔ یہ بات قابلِ سوال نہیں کہ کیا چیز صرف کی جائے۔ کیونکہ یہ بات تو نہایت واضح ہے۔ وغیرہ۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ

تم پر جہاد فرض کیا گیا اگرچہ وہ تم پر شاق ہے لیکن ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز شاق معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور

عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم دل سے پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو (اس کو) اللہ جانتا ہے تم ناواقف ہو۔

تفسیر گذشتہ آیت میں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس آیت میں جان قربان کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قوم و ملت کا بقاء بغیر جان و مال کی قربانی کے ناممکن ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے تو جنگِ مدافعانہ کی بھی اجازت نہ تھی بلکہ صبر و برداشت کا حکم تھا۔ پھر مدینہ میں تشریف لائے تو دشمنوں کی مدافعت کی اجازت مل گئی اور اجازت ہو گئی کہ جو شخص تم سے لڑے تم بھی لڑو جو شخص تم کو مارے تم بھی مارو۔ لیکن یہ جنگ صرف دفاعی تھی اور اس کی اجازت صرف کفار کی دراز دستیاں روکنے کے لئے دی گئی تھی۔ اس حکم دفاعی کے باوجود جب کفار اپنی چیرہ دستیوں اور ظلم و تذلیل سے باز نہ

toobaafoundation.com

آئے تو اب جہاد کا حکم دیا جاتا ہے اور مدافعت کفار فرض کی جاتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ تم پر دشمنوں سے لڑنا اور اُن کی مدافعت کرنا واجب کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ جہاد کا حکم تم کو ناگوار ہوگا۔ کیونکہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھنا اعدائے دین کو قتل کرنا اگرچہ وہ قرابتدار اور شناسا ہوں بہت سخت کام ہے۔ گھر میں بیٹھنا، اہل و عیال کے ساتھ معاشرت رکھنی، امن چین اور راحت و آرام سے رہنا اگرچہ ہر شخص کو طبعی طور پر مرغوب ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جفاکشی، تحمل، مصائب جان و مال کی قربانی شاق ہوتی ہے۔ لیکن وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کی طبیعت کو شاق گذرتی ہیں اور واقع میں وہ اس کے لئے مفید ہوتی ہیں مگر ان شخص کیلئے ہے کہ اہل و عیال، وطن و قوم، عزیز و اقربا، دولت و مال، عیش و آرام کو چھوڑ کر خانہ بدوش ہو کر دھوپ اور ریگستان میں سفر کرے۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ آسائش چھوڑ کر جفاکشی اور راحت چھوڑ کر مالی بدنی مصائب برداشت کرے لیکن اس جفاکشی اور تحمل و مصائب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ قوم و ملک کی آزادی شیرازۂ ملت کی بندش، توحیدِ الٰہی کا اعلان، مال و دولت اور عزت و جاہ کا حصول، عزت و حریت کا بقاء، دشمنوں پر غلبہ اور خصوصاً ثواب آخروی اور رضائے الٰہی کی تحصیل۔ لہٰذا چونکہ ایثار و جانبازی کے نتائج عمدہ ہیں اس لئے ان نتائج کا سبب بھی قابل عمل ہے۔ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے کہ بعض چیزیں انسان کو فطرتاً مرغوب ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا میلانِ طبع ان کی جانب ہوتا ہے لیکن واقع میں وہ ضرر رساں اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص فطری طور پر چاہتا ہے کہ بیوی بچوں کے ساتھ نہایت امن چین کے ساتھ رہے۔ نہ سفر کی تکلیف نہ مال کی بربادی نہ فکر خاطر اور دشمنوں کے مقابلہ میں جان کا خطرہ، نہ دھوپ و لو برداشت کرنے کی ضرورت۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ قوم و ملت کی غلامی، شیرازۂ ملت کا انتشار، شرک کفر فتنہ و فساد، ظلم و جور کی اشاعت، ذلت و غلامی: دشمنوں کا غلبہ، افلاس و نکبت کا حصول، عزت و جاہ کی تباہی اور بالآخر عذابِ الٰہی اور غضبِ خداوندی کا نزول لہٰذا چونکہ بزدلی چین اور آرام طلبی کے نتائج بُرے ہیں، اس لئے ان نتائج کے اسباب بھی واجب الترک ہیں لیکن وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہ تمام مصالح و اسباب و مسببات کی ترتیب، حکم جہاد کی حکمت اور مدافعتِ اعداء کا فائدہ خدا ہی جانتا ہے۔ انسان کو اس کا صحیح علم نہیں۔ اس لئے مفید کو مضر اور مضر کو مفید سمجھنے لگتا ہے۔

مقصودِ بیان قومی وطنی اور ملی شیرازہ بندی کا حکم، جفاکشی، مالی ایثار اور جانی قربانی کی ہدایت، اس بات کا پُر زور اعلان کہ فتنہ و فساد اور ظلم و شرک کی بیخ کنی ہر مسلمان کا فرض ہے تاکہ خدا کا بول بالا ہو۔ قوم و ملک دشمنوں کے پنجے سے آزاد رہے۔ مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہو۔ آیت میں بزدلی، آرام طلبی اور کاہلی کی ضمنی ممانعت ہے۔ مصائب کے تحمل اور تکالیف کی برداشت کرنے کی ہدایت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عوام کو اور مادی قوتوں کا اقتصار پیدا کرنے سے بالآخر افرادی تباہی، قومی بربادی، ملی و وطنی غلامی و شخصی ذلت اور افلاس و نکبت کا حصول لازمی ہے وغیرہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

(اے محمدؐ) تم سے ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو کہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور

اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِۚ وَالْفِتْنَةُ

اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد تو

اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ تم سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین

اسْتَطَاعُوْاؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا اور کفر کی حالت ہی میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کے دنیا و دین میں

toobaafoundation.com

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

اعمال اکارت جائیں گے اور یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کا کچھ تھوڑا سا فوجی دستہ حضرت عبداللہ بن جحش کی زیر کمانڈ بطن نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ راستہ میں قریش کے ایک قافلہ سے جو طائف سے آرہا تھا اُن کا مقابلہ ہوگیا۔ لڑائی میں مسلمانوں نے عمر حضرمی کو مار ڈالا لیکن ایسا اتفاق ہوا کہ ماہ رجب کا چاند دیکھا گیا اور صحابہ اس کو جمادی الثانی کی ۳۰ تاریخ سمجھے تھے۔ غرض اس پر کفار نے طعن شروع کیا کہ دیکھو محمد قابلِ احترام مہینوں میں لڑائی کرنے کی اپنے ساتھیوں کو اجازت دیتے ہیں اور ماہِ حرام کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ یہ مسلمانوں نے حضور اقدسؐ سے ان چار محترم مہینوں میں جہاد کرنے کا حکم دریافت کیا۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ لوگ آپ سے ماہائے حرام میں لڑنے اور جہاد کرنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان مہینوں میں جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں! قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگرچہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا بُری بات ہے وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لیکن راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا، ایسی تدبیریں کرنی کہ لوگ اسلام نہ لائیں اور تبلیغ ایمان نہ کر سکیں وَكُفْرٌ بِهِ اور دینِ الٰہی کا انکار کرنا خدا و رسول یا اسلام کے اصولی احکام کو نہ ماننا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کے حج یا عمرہ سے یا اس میں ادائے عبادت وغیرہ سے خدا کے پاک بندوں کو روکنا وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ اور جو لوگ کعبہ کے واقعی مستحق ہیں اور وہاں کے رہنے والے ہیں اُن کو نکال کر شہر بدر کر دینا جیسا کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک ماہ حرام میں قتال کرنے سے زیادہ سخت ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اگر بھول کر یا دھوکے سے ماہِ حرام میں قتال کیا تو تم نے طعنے دینے شروع کر دیئے ماہِ حرام میں قتال کرنا بالفرض اگر گناہ بھی ہو تب بھی یہ گناہ اس سے زیادہ سخت ہے کہ لوگوں کو راہِ خدا سے روکو، مسجد الحرام سے روکو، حج و عمرہ اور نماز و طواف وغیرہ نہ ادا کرنے دو۔ دینِ الٰہی کا انکار کرو۔ اور جو لوگ مسجد الحرام میں عبادت کرنے کے مستحق ہیں اُن کو مکّہ سے نکال دو کہ مجبور ہو کر وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔ گویا کافروں اور مسلمانوں کے فعل میں دو طرح سے فرق ہے اول تو یہ کہ لشکرِ اسلام کا یہ فعل عمداً نہ تھا صرف اشتباہِ تاریخ کی وجہ سے ایسا ہوگیا تھا اور کفار کے مذکورہ بالا تمام افعال قصداً اور بالارادہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ ماہ حرام میں قتال کرنا بہت خفیف بات ہے اور مذکورہ بالا امور نہایت سخت ہیں۔ لہٰذا جو شخص شدید معاصی کا مرتکب ہو وہ کیونکر ایسے شخص کو طعن کر سکتا ہے جو نادانستہ کوئی خفیف ترین حرکت کر بیٹھا ہو۔ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ اور شرک کرنا، ملک میں فتنہ و فساد مچانا اور مومنوں کو ستانا تو ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بہت زیادہ سخت چیز ہے۔ یہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جب کفار نے ان مہینوں کا احترام نہ کیا، ان مہینوں میں تم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں عمرہ نہ کرنے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دینِ اسلام سے انحراف کیا تو اگر تم عوض لینے کے لئے اس مہینہ میں قتال کر دو بھی تو کیا گناہ ہے۔ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا تم کو ہرگز یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے ماہ حرام میں کفار سے جنگ کی۔ خدا جانے یہ کتنا بڑا جرم ہے کیونکہ یہ کفار تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ جب تک ان کا بس چلے گا تم کو دینِ اسلام سے پھیرنے کے لئے تم سے برابر لڑتے رہیں گے لہٰذا تم بھی ان کو مار دو اور اپنے دین پر قائم رہو۔ کافروں کے فریب میں نہ آؤ۔ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کیونکہ تم میں سے جو شخص بھی اپنے دینِ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی حالت پر مرے گا اور اسلام لانے کے بعد دوبارہ کافر ہو جائے گا اور اسی حالتِ کفر پر اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس کا گذشتہ کیا کرایا سب ملیامیٹ ہو جائے گا۔ دنیا میں بھی اس کے اعمال کی پاداش یعنی فتح و نصرت وغیرہ اس کو نصیب نہ ہوگی اور آخرت میں بھی اس کی سزا جہنم ہوگی جہاں داخل ہونے کے بعد پھر کبھی چھٹکارا نہ ملے گا۔

مقصودِ بیان ماہِ حرام میں جنگِ دفاعی جائز ہے۔ شرک و کفر، فتنہ و فساد، فرائضِ الٰہی یا واجباتِ شرعی کی ادائیگی سے بندش، ماہِ حرام میں قتال کرنے سے بہت زیادہ بدتر ہے۔ معابد و مساجد سے کسی مسلمان کو ادائے فریضہ یا عبادتِ الٰہی یا کوئی اور عملِ خیر کرنے سے نہ روکنا چاہیئے۔ تبلیغِ اسلامی میں رکاوٹیں پیدا کرنی یا مسلمانوں کو کفر کی طرف مائل کرنا بدترین جرم ہے۔ مرتد کے وہ تمام نیک اعمال جو حالتِ ارتداد سے قبل اس نے کئے برباد جاتے ہیں ان کو جزا نہ ملے گی۔ مرتد نجاتِ اخروی سے ہمیشہ کے لئے اس وقت محروم ہو سکتا ہے جب کہ کفر کی حالت پر مرا ہو (اگر مرتد ہونے کے بعد پھر

toobaafoundation.com

مسلمان ہوگیا تو ایسے شخص کے قبولِ اسلام میں علماء کا اختلاف ہے) جہاد درحقیقت جنگ دفاعی یا اعلائے کلمۃ اللہ کرنے کے لئے لڑنے کا نام ہے نہ کہ زبردستی لوگوں کو پکڑ کر مسلمان بنانے کا۔ وغیرہ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ

جو لوگ　ایمان لائے　اور جنھوں　نے ہجرت کی　اور راہِ خدا　میں　جہاد کیا　وہی　اللہ کی رحمت

رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

کے اُمیدوار　ہیں　اور اللہ　غفور　رحیم　ہے

تفسیر طبرانی کے معجم کبیر میں اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب گزشتہ آیات میں عبداللہ بن جحش اور ان کے ہمراہیوں کے متعلق صراحۃً بیان کر دیا گیا کہ یہ لوگ ملزم نہیں ہیں اور ان حضرات کو گنہگاری کی فکر نہ رہی تو اس وقت ان کو ثواب کی اُمید ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ اب کیا ہم اس بات کی طمع رکھیں کہ یہ لڑائی ہمارے لئے ایک غزوہ ہوگی اور جہاد کرنے والوں کا ثواب ہم کو ملے گا۔ اس وقت آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ عموماً مومنین اور خصوصاً وہ لوگ جنھوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا تمام گناہوں کو چھوڑا۔ نیز وہ لوگ جنھوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانی و مالی قربانیاں کیں اور جہاد کیا یہی لوگ واقعی طور پر رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں اور ان کو رحمت کا اُمیدوار ہونا چاہئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے جو غلطی اُن سے ہوگئی ہوگی وہ معاف فرمائے گا اور اپنی رحمت سے ان کو جزا عطا فرمائے گا۔

مقصودِ بیان مومنوں کو عموماً اور ان لوگوں کو خصوصاً ثواب کا اُمیدوار کرنا جنھوں نے رضائے مولا کے لئے گھربار، مال، متاع اور تمام ناجائز خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کی۔ راہِ خدا میں تن من دھن نثار کر دیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ہر امکانی کوشش کی۔ آیت میں نفسانی خواہشات کے ترک کرنے کی جانب ایماء ہے اور جہاد مالی بدنی قلبی بلکہ حمایتِ اسلام کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کی طرف ضمنی اشارہ ہے۔ وغیرہ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

(اے محمدؐ) تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے

تفسیر پہلے خدا تعالیٰ نے وہ امور بیان کئے تھے جن سے شیرازۂ ملی و قومی منتشر ہو جاتا ہے۔ اب وہ امور بیان کئے جاتے ہیں جن کے ارتکاب سے قومی و مذہبی بربادی لازم آتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ معاذ بن جبل رضؓ اور انصار کی ایک جماعت نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ شراب سے تو عقل جاتی رہتی ہے اور قمار سے مال برباد ہوتا ہے ہم کو ان کے متعلق حکم دیجئے کہ کیا کریں۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عرب میں شراب نوشی و قمار بازی کا مدت سے دستور تھا اور اہلِ عرب ان دونوں چیزوں کے عموماً بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ کل جزیرۂ عرب میں چند افراد ہی اس سے محفوظ رہے ہوں گے۔ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما رہے صحابہ بدستور اپنے قدیمی خو بو پر قائم رہے۔ جب سرکار مدینہ تشریف لائے تو بتدریج شراب اور جوئے کی ممانعت ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی اور قمار و شراب کی اس آیت میں کچھ مضرت ظاہر کر کے مسلمانوں کی طبیعت کو عادتِ طبعی سے جو طبیعتِ ثانیہ ہو چکی تھی پھیرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس آیت سے ان چیزوں کی حرمت کی وضاحت نہ ہوئی۔ صحابہ برابر ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ لیکن پہلے کی بہ نسبت ضرور ان کے استعمال میں کمی آگئی۔ اس کے بعد آیت

toobaafoundation.com

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی نازل ہوئی اور مسلمانوں کو شراب پی کر نماز کو کھڑے ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ پھر کچھ دنوں بعد آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ سے دونوں چیزوں کی حرمت واضح طور پر کر دی گئی اور اس تدریجی ممانعت سے اہل عرب نے مالوف طبعی کو ترک کیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل عرب آپ سے شراب اور جوئے کی حلت و حرمت کے متعلق استفسار کرتے ہیں کہ آیا یہ چیزیں جائز ہیں یا ناجائز۔ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے ارتکاب میں بڑا گناہ ہے اور منافع بہت تھوڑے ہیں۔ صرف تجارتی یا تعلیق موہومی فوائد ہیں۔ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا مگر ان کا گناہ اور مضرت نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ شراب سے عقل اور صحت برباد ہو جاتی ہے نسل انسانی کی افزائش میں کمی آ جاتی ہے۔ حواس میں جلادت، دماغ میں تاریکی اور نور روحانی میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ قمار سے مال برباد ہوتا ہے۔ اقتصادیات اور معیشتِ انسانی پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وبالِ آخرت گردن پر سوار رہتا ہے۔

مقصود بیان

شراب اور جوئے کی تجارتی اور ذوقی منافع کی طرف صراحت تنا ایماء اور اس بات کا اظہار کہ ان چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ منافع ضرور ہیں۔ مثلاً شراب نوشی سے کچھ دیر کے لئے سرور فرحت اور ازالۂ افکار حاصل ہو جاتا ہے۔ جوا کھیلنے سے بھی تفریح طبعی اور کبھی کبھی مال کا بھی حصول ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی مضرت اس نفع کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگ لفظ نفع ...... سے استدلال کرتے ہیں کہ نصِ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شراب میں کچھ صحت جسمانی کا مواد موجود ہے حالانکہ یہ غلط ہے نَفْعِهِمَا کی ضمیر اس مفہوم پر دلالت نہیں کرتی۔ اہل عربیت اور قواعد دان طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، تم کہہ دو کہ جو کچھ حاجت سے بچے اسی طرح اللہ تم سے صاف صاف حکم بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

تاکہ دنیا اور دین کے متعلق تم غور کرو

تفسیر

ایک بار حضرت معاذ بن جبل رضؓ اور حضرت ثعلبہ رضؓ نے حضور گرامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلعم یوں تو ہمارے پاس غلام بھی ہیں۔ مویشی بھی ہیں۔ نقد مال بھی ہے۔ روپیہ پیسہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور خدا تعالیٰ اپنی راہ میں خرچ کرنے کا اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے۔ یہ فرمایئے کہ ہم کیا چیز صرف کریں؟ اس وقت یہ آیت اُتری۔

ارشاد ہوتا ہے کہ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا صرف کریں؟ مویشی دیں، روپیہ پیسہ دیں، باندی غلام دیں، کیا دیں اور کتنا دیں؟ قُلِ الْعَفْوَ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ جو چیز بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہو، تمہارے حوائج اور مصارف اور لوازم زندگی سے بچے اس کو خیرات کر دو اور قدرِ ضرورت سے زائد نہ رکھو۔ لیکن ایسا بھی نہ کرو کہ اپنی ضرورت کی چیز دے ڈالو اور پھر دوسروں کے دست نگر بن جاؤ۔

تفسیر مدارک اور زاہدی وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہر مسلمان اپنی ضرورت سے زائد چیز خیرات کر دیا کرتا تھا۔ کاشتکار صرف اتنا غلہ رکھتا تھا کہ ایک سال کے لئے کافی ہو جائے اور باقی دے ڈالتا تھا اور پیشہ ور لوگ صرف قوت لایموت رکھ لیتے تھے اور باقی خیرات کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ابن عباس رضؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ آیت زکوٰۃ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔۔۔ یعنی یہ حکمت آمیز حکم خدا تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تاکہ اسلام میں قوت اخوت و مساوات کا مظاہرہ۔ احکام الٰہی کی اشاعت اور دین میں لوگوں کو استقامت حاصل ہو۔ تم کسی کے دست نگر بھی نہ بنو۔ سوال کی ذلت بھی نہ اٹھانی پڑے اور برادران اسلام کی امداد اور غم خواری بھی ہو جائے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ فانی اور زوال پذیر مال جو دنیا میں کسی طرح تمہارے پاس ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا تھا۔ آخرت میں

toobaafoundation.com

تمہارے لئے جمع ہوجائے) خدا تعالیٰ ایسے ہی پُر مصلحت اور حکمت آمیز احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ دنیا و آخرت پر غور کرنے کا تم کو موقع ملے اور تم غور کرسکو کہ دنیا فانی ہے زوال پذیر ہے اور آخرت دائمی ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ درخورِ اعتنا نہیں۔ اس کے کسی مال کی طرف میلانِ طبع اور دل لگی نہ ہونی چاہیئے۔ ہاں بقدرِ ضرورت مال لازم آتا ہے تاکہ اپنے اسلام میں بھی ضعف نہ ہو، ذلت سے بھی ہمکنار ہونا نہ پڑے اور مسلمان بھائیوں کی بھی پوری پوری ہمدردی ہوجائے۔

مقصودِ بیان اخوتِ اسلامیہ، اتحاد بین المسلمین اور مساوات انسانیہ کا کامل ترین مظاہرہ۔ اپنے لازمی ضروریات کی موجودگی میں دوسروں کو نہ دینے کی طرف ایما بشرطیکہ دینے کے بعد پچھتانا یا ذلت اٹھانی پڑتی ہو۔ احکامِ اسلامی کے حکمت آمیز اور پُر مصلحت ہونے کی صراحت۔ دنیوی اور دینی احکام میں غور کرنے اور سوچنے کی دعوت۔ وغیرہ۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور تم سے یتیموں کی بابت دریافت کرتے ہیں تم کہدو کہ اُن کی بھلائی کا کام کرنا بہتر ہے اور اگر تم (کھانے پینے میں) اُن کو اپنے ساتھ شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون بگاڑتا اور کون سنوارتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا　بیشک اللہ　زبردست　حکمت والا　ہے

تفسیر جب آیت وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ نازل ہوئی اور یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت ہوگئی تو جو لوگ یتیموں کی کفالت اور سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خوف کے مارے انھوں نے یتیموں کا مال، ان کی تجارت اور کھانا پینا سب کچھ علیحدہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان یتیم بچوں نے جو کچھ کھایا کھایا۔ باقی سڑ گیا۔ یہ بات بھی بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی، اُدھر یتیموں کا تجارتی نقصان ہونے لگا تو مجبوراً صحابہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ اور علیحدہ کھانا پینا کرنے میں بہت دقت ہے ہم کیا کریں"؟ اُس وقت یہ آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ ماحصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں اور یتیموں کے متعلق اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یتیموں کا مال اگر ہماری غذا میں مل جائے اور ہم اس کو کھالیں تو وہ موجبِ عذاب ہے اُن کو ساتھ ملا کر کھلانے سے گناہگار ہوتے ہیں۔ یتیموں کا مال اپنے مال سے جدا کر کے الگ اُن کے واسطے کھانا تیار کرتے ہیں تو دشواری پیش آتی ہے اور یتیموں کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یتیموں کی خیرخواہی مدِنظر ہے اُن کی اصلاح بہتر ہے۔ خواہ اصلاح مالی ہو یا تعلیم و تربیت کے لحاظ سے ہو۔ بہرحال اُن کی بہتری اور فلاح ہو لو اُن کے لئے بھی بہتر ہے اور تمہارے لئے بھی۔ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ لہٰذا اگر تم اُن کو اپنے ساتھ ملا لو خواہ اس صورت سے کہ اُن کا کھانا پینا اپنے ساتھ کرلو یا اُن کے تجارتی مال کو اپنے تجارتی مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرلو، آپس میں ہی نکاح بیاہ کرلو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، واجب الرحم ہیں۔ بھائی کا بھائی پر حق ہوتا ہے لہٰذا تم پر حق ہے کہ اُن کی خیرطلبی کرو، لیکن بدنیتی کو دخل نہ دو۔ اُن کے مال کو بھی نہ کرو نہ اُن کے مال سے خود فائدہ اٹھانے کا لالچ کرو کیونکہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ خدا تعالیٰ بدنیت اور نیک نیت کو خوب جانتا ہے اُس کو علم ہے کہ کون یتیم کا خیرخواہ اور کون بدخواہ ہے اور یہ تو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسانی کردی ورنہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اگر خدا چاہتا تو تم کو دشواری میں چھوڑ سکتا تھا اور وہی سخت حکم جاری رکھتا کہ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ۔ اس کا کھانا پینا اور تجارتی کاروبار وغیرہ سب علیحدہ رکھو، مگر خدا تعالیٰ غالب ہے اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں اور اُس کے تمام کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے، اس لئے اُس نے تمہاری سہولت کے لئے یہ حکم دے دیا۔

مقصودِ بیان یتیم کی بہبودی اور خیرخواہی کی تعلیم، یتیم کے منافع کے لئے اس کے مال سے جو مصارف لئے جائیں اُن کا جواز، اخوتِ اسلامی کا اظہار۔

toobaafoundation.com

اخوت ومساوات کا واسطہ دے کر رحم کرنے کی ہدایت نیک نیتی کے ساتھ یتیم کی تعلیم وتربیت یا زیادتی مال کے واسطے اُس کے مال میں تصرف کرنے کی اجازت۔ اس امر کی صراحت کہ خدا عالم الغیب ہے۔ نیک نیت اور بدنیت سے واقف ہے۔ اس بات کی تصریح کہ خدا تعالیٰ نے احکام اسلامی میں سہولت وآسانی کو مدنظر رکھا ہے۔ اس امر کی طرف بھی آیت میں اشارہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ سخت ترین احکام بھی نازل فرماتا تب بھی اُس کو ظالم و جابر نہیں کہا جاسکتا۔ وغیرہ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک عورت اگرچہ تم کو اچھی معلوم ہو مگر اس سے ایک مومن باندی

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

بہرحال بہتر ہے اور مشرکوں کے ساتھ نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں کیونکہ مشرک مرد اگرچہ تم کو اچھا معلوم ہو مگر ایک

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ

مومن غلام بہرحال اس سے بہتر ہے وہ (مشرک) تم کو دوزخ کی طرف بُلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے جنت و

وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ع ۲۷

مغفرت کی طرف بُلاتا ہے اور لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

تفسیر عناق نامی ایک عورت نہایت حسینہ جمیلہ تھی۔ بہت سے لوگ اس سے نکاح کرنے کے آرزومند تھے، مگر اس نے کسی سے نکاح کا اقرار نہ کیا۔ ایک صحابی ابن ابی مرثد غنوی تھے اُن سے نکاح کرنے پر وہ رضامند ہوگئی۔ چوں کہ عناق ایمان نہ لائی تھی اور حالتِ شرک پر تھی، اس لئے ابن ابی مرثد نے حضور اقدسؐ سے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تک مشرک پسند عورتیں مسلمان نہ ہوجائیں تم اُن سے نکاح نہ کرو۔ ہاں اگر مسلمان ہوجائیں تو خیر۔ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی مسلمان سیاہ فام باندی کو غصہ کی حالت میں کسی حرکت پر مار دیا۔ جب غصہ فرو ہوا تو اس نازیبا حرکت پر بہت نادم ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے یہ غلطی ہوگئی اس کی تلافی یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو آزاد کرکے نکاح میں لے آؤں۔ غرض حضورؐ کے مشورے سے آزاد کرکے اُس سے نکاح کرلیا لوگوں نے طعنے دینے شروع کئے کہ باندی سے نکاح کرلیا اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مشرک عورت اگرچہ تمہاری دل کشی کے سامان کی حامل ہو حسین ہو جمیل ہو اُس کی صورت وغیرہ تمہارے لئے جاذبِ نظر اور دل نشین ہو لیکن اُس سے حقیر سی مسلمان باندی بہتر ہے۔ پھر باندی سے نکاح پر طعنے دینے اور مشرک عورتوں سے نکاح کرنا یہ کیا حماقت ہے۔ صحیحین میں بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ منقول ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار باتوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال۔ جمال۔ شرافت نسبی اور دین داری۔ تم کو دین دار عورت کی جستجو کرنی چاہیئے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔ یہ گزشتہ کا تتمہ ہے پہلے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح ناجائز قرار دیا۔ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ۔ یعنی مشرک مردوں کا مال، جمال، وجاہت اور حکومت خواہ کتنی ہی جاذب توجہ ہو، لیکن اُن سے بہتر ایک معمولی مسلمان غلام ہے لہٰذا مشرکوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح نہ کرو۔

toobaafoundation.com

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ یہ سابق حکم کی علت ہے یعنی مسلمان باندی حسین و جمیل دولت مند مشرک عورت سے بہتر ہے اور مسلمان ادنیٰ غلام ٹرے سے دولت مند صاحب وجاہت کافر سے بہتر ہے کیوں کہ کافر انسان کو خدا کی نافرمانی، سرکشی اور گناہ کی دعوت دیتے ہیں جس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ حاصل دلیل یہ ہوا کہ مشرکوں سے رابطہ نکاح نہ پیدا کرو۔ کیوں کہ اس قسم کے نکاح سے دین و دنیا دونوں برباد ہو جائیں گے۔ معاش و معاد میں خلل پڑے گا۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت باہم نہ ہوئی تو لطف زندگی ختم ہو گیا اور محبت ہوئی تو کافر کے رسوم کفر اور لوازم شرک سے چشم پوشی کرنی پڑے گی جس سے دین برباد ہو جائے گا۔ مسلمان اپنے گھر میں غیر اللہ کی پرستش کیوں کر گوارا کر سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ یعنی کفار تم کو دوزخ میں جانے کی دعوت دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے ارادہ سے تم کو جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم ایسے اعمال و اسباب اختیار کرو جس سے تمہاری مغفرت ہو جائے اور جنت میں داخل ہو جاؤ اسی لئے اُس نے اپنے رسول کے اتباع کا حکم دیا اور قانون عمل نازل فرمایا۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ اور لوگوں کے سامنے اپنے احکام اور قوانین کھول کر خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اُن کی حکمت و مصلحت پر غور کر کے نصیحت حاصل کریں اور نعمتِ ایمان کی قدر کریں اور سب کے سب قانونِ شریعت کے پابند ہو جائیں۔

مقصودِ بیان

بُت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان سلسلۂ نکاح جاری کرنے کی بندش، حُسن و جمال، مال و منال، عزت و حکومت کے مقابلے میں دین داری اور صلاح اعمال کی ترجیح اور اس بات کی صراحت کہ کافر کیسے ہی دولت مند ہوں یا صاحب اعزاز اور دل کش حسن رکھتے ہوں، کیسی ہی اُن کو دنیوی عزت حکومت اور وجاہت حاصل ہو لیکن فقیر ترین مومن کے ایمان کے مقابل نہیں ہو سکتے۔ آیت میں ایمائی آمیز ایک صراحت یہ بھی ہے کہ اگر سلسلۂ نکاح مسلمان کا کافر کے ساتھ قائم ہو گیا تو نظامِ امن میں فساد لازم آئے گا کسی طرح ایک دوسرے سے وابستگی نہیں ہو سکتی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان کو کافر سے یا تو کنارہ کش ہونا پڑے گا یا اس کے ساتھ جہنم میں جانا پڑے گا۔ احکامِ شریعت کے حسن و مصلحت پر غور کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے تاکہ بصیرت کوش طبقہ اسرار احکام سے واقف ہو اور غور کرے کہ کوئی شرعی حکم خلاف عقل و فطرت نہیں۔ ہر حکم میں بلاد و عباد کی اصلاح مضمر ہے اور ہر قانونِ شرع سے فتنہ و فساد کی بیخ کنی مقصود ہے۔ وغیرہ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ ھُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ

اور تم سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو یہ گندگی ہے لہٰذا حالتِ حیض میں عورتوں (کی قربت) سے علیحدہ رہو

وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ

اور تاوقتیکہ وہ پاک نہ ہو جائیں اُن سے قربت نہ کرو جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو جدھر سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اُن کے پاس جاؤ

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

بیشک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے

تفسیر

حائضہ عورتوں کے متعلق اہلِ کتاب نے بہت افراط و تفریط سے کام لیا تھا۔ اسلام نے جہاں دنیا کے سامنے دیگر قوانین اعتدال پیش کئے وہاں اس معاملے میں بھی راہِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی۔ یہود میں اس درجہ افراط تھا کہ اپنی حائضہ عورتوں سے بالکل جدا ہو جاتے تھے۔ نہ اُن کے ساتھ کھاتے پیتے تھے نہ اُن سے بات کرتے تھے نہ پاس بیٹھتے بلکہ اُن کو بالکل علیحدہ مکان میں رکھتے تھے اور کسی قسم کا تعلق اُن سے نہ رکھتے تھے۔ اُن کے برخلاف عیسائی بہت ہی تفریط کرتے تھے۔ حائضہ عورتوں سے علاوہ اختلاط اور اشتراک نشست و برخاست اور قیام و طعام

toobaafoundation.com

کے کبھی کبھی قربت سے بھی نہ چوکتے تھے۔ جب ان دونوں فرقوں میں مباحثہ ہوا تو حضرت ثابت بن واحداح نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہودی اور عیسائی تو ایسا کرتے ہیں۔ ہم حیض کی حالت میں اپنی عورتوں سے کیا معاملہ کریں اسلامی حکم سے ہم کو مطلع فرمائیے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے اعتزال کے ظاہری معنی لئے اور حائضہ عورتوں کو بالکل علیحدہ کر کے اپنی کوٹھڑی سے باہر کر دیتے تھے، لیکن اس میں بڑی دقت و تکلیف برداشت کرنی پڑی، اس لئے چند اعرابیوں نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ سردی بہت سخت ہے اور کپڑے ہمارے پاس کم ہیں۔ اگر ہم حائضہ عورتوں کو کپڑے دیتے ہیں تو باقی گھر والے مرے جاتے ہیں اور گھر والوں کو دیتے ہیں تو حائضہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا کہ تم کو صرف جماع سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ حالتِ حیض میں عورتوں سے کیا معاملہ کریں اور ان کے ساتھ رہیں یا نہ رہیں، قربت کریں یا نہ کریں؟ قُلْ هُوَ اَذًى آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی ناپاکی ہے یعنی اس میں قربت کرنی طہارت و پاکیزگی کے خلاف ہے پھر ایذا بر دماغی ونفسانی کے علاوہ اس میں جسمانی ایذا بھی ہے۔ طرح طرح کی بیماریاں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ بحالتِ حیض میں عورتوں کو علیحدہ کر دو۔ اُن سے قربت نہ کرو۔ یعنی سونا کھانا پینا، رہنا سہنا اُن کے ساتھ ممنوع نہیں۔ صرف جماع و قربت سے پرہیز رکھو۔ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں غسل نہ کرلیں یا مدتِ غسل تک نہ پہنچ جائیں اُس وقت تک اُن سے قربت نہ کرو۔ جماع کرنے سے پرہیز رکھو فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ جب عورتیں بالکل پاک ہو جائیں غسل کرلیں تو حکمِ الٰہی کے موافق اُن سے برمحل قربت کرو۔ خلافِ محل قربت کا ارتکاب نہ کرو اور قربت میں اسی محل کو ملحوظ رکھو جس کا خدا تعالیٰ حکم دے چکا ہے۔ یعنی طلبِ نسل و اولاد۔ یعنی جماع کو صرف شہوت رانی کا ذریعہ نہ بناؤ بلکہ اصلی مقصود کو پیش نظر رکھو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ یعنی تم کو حالتِ حیض کے علاوہ طہارت کی صورت میں ہر فائدہ اندوز ہونے کا اختیار ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہوتِ نفسانی میں انہماک تمہارے لئے جائز ہے ایسا نہ کیا کرو کہ لذت کے حصول میں ہر وقت غرق رہو اور پاکی ناپاکی کی بھی پرواہ نہ کرو بلکہ خدا کی طرف بھی رجوع کرو۔ جماع کو نفسانی اقتضا کا آلہ اور شہوت پرستی کا ذریعہ د بنالو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی لوگ پسندیدہ ہیں جو اس کی طرف رجوع کرنے والے اور طہارت منش ہیں۔ پاکیزگی جسم اور پاکیزگی روح دونوں کے خوگر ہیں۔

مقصودِ بیان راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ہدایت اور افراط تفریط سے بازداشت۔ لواطت کی حرمت۔ اس امر کی صراحت کہ جوازِ جماع سے مقصود طلب اولاد اور افزائشِ نسلِ انسان ہے۔ طہارتِ نفسانی و جسمانی حاصل کرنے کی طرف لطیف ترغیب۔ اس طرف ایک نازک ترین ایماء کہ قوانینِ اسلام میں جس طرح صفائی روحانی اور اصلاحِ باطنی کا لحاظ رکھا گیا ہے اسی طرح ظاہری اخلاق کی درستگی اور جسمانی صحت پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں پیش کیا گیا جو روحانی اصول و آداب کے خلاف ہو یا جسمانی حفظانِ صحت کے قواعد کے مخالف ہو۔ اقتضاءِ مادی کو پورا کرنا اگرچہ جائز رکھا گیا ہے لیکن آیت میں صراحت کر دی گئی کہ اس میں بھی رجوع الی اللہ، طہارتِ نفس اور صفائی روح کا لحاظ رہے اور ان لذائذ میں سرتاپا غرق ہو کر صحتِ بدن اور زیرکی روح کو فنا نہ کر دیا جائے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

تمہاری بیبیاں　تمہاری کھیتی ہیں　تم اپنی کھیتی میں جس طریقہ سے چاہو جاؤ　اور اپنے لئے پیش خیمہ بھیج دو　اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ڈرو　اور جانے رہو کہ تم کو اُس سے ضرور ملنا ہے اور (اے محمد) ایمانداروں کو خوشخبری سنا دو

تفسیر یہودی کا عقیدہ تھا کہ اگر عورت سے برمحل ہی قربت کی جائے مگر طریقہ معروف کے خلاف کی جائے۔ مثلاً عورت کی پشت مرد کے منہ کی طرف ہو تو اس سے

toobaafoundation.com

بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق استفسار کیا تو تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ عورتیں تمہارے لئے کھیت کی زمین کی طرح ہیں اور مرد کاشتکار ہے اور نطفہ تخم ہے۔ تم اپنے کھیتوں میں ہر طرح سے داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن محل کاشت کا لحاظ ضروری ہے۔ محل کاشت کے علاوہ خلافِ محل جائز نہیں اور اصل مدعا کا لحاظ بھی لازمی ہے کہ طلبِ اولاد اصل مدعا ہونا چاہئے۔ ورنہ جب کھیت سے پیداوار نہ حاصل ہوئی یا پیداوار کے لئے تخم ریزی نہ کی گئی تو کاشت فضول ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اولاد صالح آدمی کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے جو مرنے کے بعد قائم رہتا ہے۔ خلاصہ بیان یہ ہے کہ جماع سے اصل غرض نسلِ انسانی کی افزائش ہونی چاہیئے اور فتنۂ نفس سے محفوظ رہنا مقصود ہونا چاہیئے۔ صرف اشتہائے نفس کا رفع اصلی مدعا نہ ہونا چاہیئے بلکہ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اس کاشتکاری میں اپنے لئے پہلے سے نیک نیت کرلو اور نسلِ انسانی کی افزائش کو مطمع نظر بنالو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خوف خدا اپنے ارادوں میں اور اعمال میں قائم رکھو۔ اصلی مقصود صرف خوشنودیٔ خدا کو بنا ؤ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ اور خوب سمجھ لو کہ ضرور تم کو ایک روز خدا سے ملنا ہے۔ اس کے سامنے جانا ہے۔ وہ تمہارے ارادے اور نیت سے واقف ہے۔ اس وقت تمہارے تمام مخفی ارادوں کا اظہار ہو جائے گا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہ مسلمان خالص مومن قابلِ بشارت ہیں جنھوں نے خدا تعالیٰ کے ہر حکم کو سچا مفید واجب العمل سمجھا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو ضروری خیال کیا ہے۔

مقصود بیان لطیف پیرایہ میں سلسلۂ ازدواج و نکاح کی غرض کا بیان، آدابِ مباشرت کی تعلیم یعنی اس امر کا اظہار کہ شہوتِ نفس کی حالت میں بھی کسی کام کو بغیر صدق نیت کے شروع نہ کریں۔ کسی حالت میں اقتضائے نفس کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ جماع میں بھی صدق نیت کے ساتھ تحصیلِ عفت، نسلِ انسانی کی افزائش اور صدقۂ جاریہ کو پیشِ نظر رکھیں۔ آیت سے ضمنی طور پر لواطت کی حرمت محض شہوت رانی کے لئے جماع کی ممانعت اور عورتوں کو عیاشی کا آلہ سمجھنے سے باز داشت اور امتناع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ قانونِ فطرت کی تعلیم اور اخلاقِ فاضلہ کے اختیار کرنے کی ہدایت بھی آیات سے مترشح ہوتی ہے۔ وغیرہ

فائدہ ابن جریر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ آیت قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کے یہ معنی ہیں کہ شروع صحبت سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ صحیح بخاری میں ابن عباس سے مروی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص قربت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا تو اگر اس صحبت میں ان کے لئے کوئی بچہ مقدر میں ہوگا تو شیطان اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ غالباً اسی حدیث کی بنا پر بعض مفسرین نے قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس جماع سے اولاد صالح کی خواہش کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اور اللہ کو اپنی قسموں کی آڑ نہ بناؤ کہ (بخدا) ہم سلوک نہ کریں گے اور نہ پرہیزگار بنیں گے اور لوگوں میں ملاپ نہیں کرائیں گے اور اللہ سُنتا اور جانتا ہے

تفسیر اس آیت کے شانِ نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک تو صاحبِ بیضاوی نے نقل کی ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن کو طلاقِ رجعی دیدی۔ لیکن چند روز کے بعد صلح کا ارادہ کیا اور رجوع کی خواہش کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے قسم کھالی کہ نعمان سے کلام نہ کروں گا اور میاں بیوی میں صلح نہ ہونے دوں گا۔ دوسری روایت ابن جریر نے بروایت ابن جریج بیان کی کہ مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ جب حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور برأت کے متعلق قرآن میں صراحت آگئی تو حضرت ابوبکر رضؓ نے قسم کھائی کہ مسطح کو جو میں مصارف دیا کرتا تھا اب نہ دوں گا۔ اس نے عائشہؓ پر تہمت لگائی اور منافقوں کے ساتھ شریک ہوگیا۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی اور حضرت ابوبکر رضؓ نے قسم توڑ کر کفارہ ادا کیا۔

صحیح یہ ہے کہ آیت کا شانِ نزول کوئی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوتے تھے۔ لوگوں کا دستور تھا کہ خدا کی قسمیں کھا بیٹھتے تھے کہ میں اپنے ماں باپ سے نہ ملوں گا یا فلاں شخص سے صلح نہ کروں گا یا بیوی سے میل نہ کروں گا۔ یا فلاں شخص کے مصارف کی خبرگیری نہ کروں گا۔ اس کے علاوہ بعض لوگ بات بات پر خدا کی قسم کھایا کرتے تھے اور خدا کی قسم کو تکیہ کلام بنا کر نامِ الٰہی کی بے توقیری کرتے تھے۔ ان سب کے متعلق آیت کا نزول ہوا۔

toobaafoundation.com

حاصل ہدایت یہ ہے کہ تم جو خدا تعالیٰ کے نام کو اپنی اچھی بُری قسموں کی آڑ بناتے ہو اور خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ ہم لوگوں کے ساتھ اب سلوک و احسان نہیں کریں گے، باہم صلح نہ کرائیں گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم نیکی کرنے پر جو بار بار خدا کی قسمیں کھاتے ہو اور واللہ باللہ کہتے رہتے ہو اس میں خدا کے نام کی بدتہذیبی اور بے ادبی ہے۔ تم خدا کے نام کو اپنی نیکی کا بھی نشانہ نہ بنالو اور قسم کو تکیۂ کلام نہ کرلو۔ اس سے گناہ و معاصی پر قسم کھانے کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ معلوم ہو گئی تو امور شرعیہ تو بدرجۂ اولیٰ قسم کھانے کی ممانعت ہو گئی۔ حاصل یہ کہ آیت میں کم قسم کھانے کی ترغیب ہے یا امور ممنوعہ پر قسم کھانے کی ممانعت ہے۔ موخر الذکر تفسیر کو سیوطی نے پسند کیا ہے اور مقدم الذکر تفسیر بیضاوی اور شیخ ابوحیان نے ذکر کی ہے۔ میری رائے میں آخری معنی بہتر ہیں۔ اگر شانِ نزول کو خاص تسلیم کیا جائے اور مقدم الذکر معنی اس وقت صحیح ہیں جب شانِ نزول میں عموم اختیار کیا جائے۔ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ یعنی خدا تعالیٰ خوب سنتا او جانتا ہے۔ اگر قسم کھاؤ گے تو ضرور وہ اس کو سُنے گا اور اس کے نام کی عزت ترک کروگے تو یہ بھی اس کے احاطۂ علمی سے خارج نہیں۔ اس میں ممانعتِ قسم کی تاکید ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لئے وعید ہے۔

مقصودِ بیان کارِ خیر سے باز رہنے کی قسم کھانے کی ممانعت، قسم کو تکیۂ کلام بنانے اور نامِ خدا کی بے توقیری کرنے سے بازداشت، نیکی، خدا ترسی، اقربا کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے کی ترغیب۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نیکی کرنا یا مسلمانوں میں صلح کرانا یا کسی کے ساتھ سلوک و احسان کرنا تو خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لئے ہونا چاہئے۔ اس میں جذباتِ نفسانیہ کو دخل دینا بیجا ہے۔ گویا للّٰہیت، ایثار اور خلوص کی مبارک تعلیم دی گئی ہے اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کی رغبت دلائی گئی ہے۔ وغیرہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ

اللہ تمہاری اُن قسموں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا جو بیہودہ طور پر زبان سے نکل جاتی ہیں بلکہ اُن قسموں کی پکڑ کرے گا جن کا ارادہ تمہارے دلوں نے کیا ہے اور اللہ بخشنے والا بُردبار ہے۔

تفسیر چونکہ قسم کا ذکر گزشتہ آیت میں کیا گیا تھا اس لئے قسم کے احکام یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی جھوٹی بات پر بلا ارادہ تمہاری زبان سے قسم نکل گئی یا ارادہ کر کے قسم کھائی اور وہ جھوٹی تھی لیکن قسم کھانے والا اس کو صحیح سمجھتا تھا تو ایسی قسم ساقط الاعتبار ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا تم سے کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں اگر کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قصداً قسم کھائی اور پھر قسم کی خلاف ورزی کی تو خدا تعالیٰ مواخذہ کرے گا۔ اگر اس کا کفارہ دیدو گے تو خدا تعالیٰ معاف فرما دے گا کیونکہ خدا غفور رحیم ہے۔

مقصودِ بیان بلا ارادہ قسم کھانے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ قصداً بالارادہ قسم کھا کر اُس کی خلاف ورزی کرنا قابلِ گرفت ہے۔ لیکن کفارہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے آیت میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ خدا نادانستہ اور بلا ارادہ فعل کی گرفت نہیں کرتا۔ ہاں اگر ارادہ و قصد کے ساتھ کسی معصیت اور خلافِ شریعت حرکت کا ارتکاب کیا جائے تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

اب ہم ذیل میں قسم کے اقسام اور علماء کے مختلف اقوال نقل کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ عظیم الشان مسئلہ خوب واضح طور پر سمجھ میں آ جائے۔

اقسامِ قسم۔ اہلِ حنفیت کے نزدیک قسم کے تین اقسام ہیں (۱) یمین لغو۔ یعنی اگر کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی یا نکلی تو ارادہ سے مگر قسم کھانے والا اپنے گمان میں اس کو راست سمجھتا تھا۔ یہ شرعاً ساقط الاعتبار ہے۔ اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ (۲) یمین منعقدہ جو کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کھائی جائے۔ اگر اس قسم کی خلاف ورزی کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا یعنی ایک باندی یا غلام آزاد کرنا پڑے گا اور اس کی وسعت نہ ہوگی تو دس محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا اور متوسط لباس دینا پڑے گا اور بالکل توفیق نہ ہوگی تو متواتر تین روزے رکھنے پڑیں گے۔ (۳) یمین غموس جو قصداً کسی گزشتہ معاملہ کے جھوٹی قسم کھائی جائے اس کا گناہ اتنا زیادہ ہے کہ کفارہ سے بھی نہیں جاتا۔ توبہ و استغفار لازم ہے۔

اختلافِ علماء۔ ذیل میں یمین لغو کے متعلق علماء کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ لغو صرف مذاق اور ہزل میں ہوتا ہے مثلاً آدمی کہتا ہے لا واللہ یا بلی واللہ۔ ابن عمر، شعبی، عروہ بن زبیر، ابوصالح، ابوقلابہ اور زہری کا یہی قول ہے۔

toobaafoundation.com

لیکن دوسری روایت حضرت عائشہ رضؓ سے یہ بھی ہے کہ لغو اس شئے کو کہتے ہیں کہ سچ جان کر آدمی اُس پر قسم کھاتا ہے اور واقعہ کے خلاف ہو۔ یہی قول ابو ہریرہؓ، ابن عباس رضؓ سلیمان بن یسار، سعید بن جبیرؒ، ابراہیم نخعی، حسن، زرارہ، ابو مالک، عطاء خراسانی، سدی، مکحول، مقاتل، طاؤس، قتادہ اور اکثر دیگر تابعین و علماء کا ہے۔

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ہم نے تفسیر میں ایسے معنی بیان کئے ہیں جو دونوں روایتوں کو جامع ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ لغو قسم یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور پھر اس کو بھول جائے۔

زید ابن اسلم رضؓ کہتے ہیں کہ لغو قسم یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹ جائیں یا میرا کل مال تباہ ہو جائے، اگر میں یہ فعل نہ کروں یا یہ فعل کروں طاؤس نے حضرت ابن عباس رضؓ کا قول نقل کیا ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ تم غصہ کی حالت میں کسی بات کے متعلق قسم کھا لو لیکن سعید بن جبیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضؓ فرماتے تھے لغو قسم یہ ہے کہ تم حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو۔

تنبیہ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یمین غموس میں کفارہ لازم ہے لیکن امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غموس میں کفارہ نہیں۔ ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جو لوگ اپنی بیبیوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھیں اُن پر چار مہینے علیحدہ رہنا لازم ہے پھر (اس مدت میں) اگر وہ رجوع کریں تو خدا غفور رحیم

رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ہے اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سُننے والا واقف کار ہے

تفسیر لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ یعنی جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں کہ اپنی عورتوں سے قربت نہ کریں گے اُن کو چار ماہ تک رُکنا لازم ہے فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اب اگر اس مدت کے اندر انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور عورتوں سے قربت کر لی تو جو ضرر عورتوں کو انھوں نے پہنچایا ہے اُس کو خدا معاف کرنے والا ہے۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اور اگر انھوں نے رجوع نہ کیا اور مدت گزر گئی اور عورتوں کو چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ خدا تعالیٰ اُن کے قول کو سُننے والا اور اُن کے ارادہ کو جاننے والا ہے۔

ان آیات میں ایلاء کا حکم بیان کر دیا گیا۔ عرب میں دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا۔ اس قسم کے مارے نہ تو پھر عورت کے پاس آتے تھے نہ اس کو طلاق دیتے تھے۔ اس کی وجہ سے عورت کو بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس طرح کی قسم کھانے کے احکام بیان کر دیے۔ کیونکہ یہ بھی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

وضاحت۔ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا اس کی چار صورتیں ہیں (۱) کوئی مدت معین نہ کرے۔ غیر معین مدت تک کے واسطے قسم کھالے (۲) مدت کی تعیین کر دے اور صرف چار ماہ کے واسطے ترک صحبت کی قسم کھالے (۳) چار ماہ سے زائد کی قید لگائے مثلاً چھ مہینے سات مہینے صحبت نہ کروں گا (۴) چار ماہ سے کم کی قید لگائے۔ مثلاً تین ماہ دو ماہ ایک ماہ وغیرہ کے واسطے عہد کر کے ترک قربت کی قسم کھالے۔

مقدم الذکر تینوں صورتیں شرعاً ایلاء کہلاتی ہیں اور ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دے گا اور بی بی سے قربت کرے گا تو کفارہ دینا پڑے گا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر چار مہینے یوں ہی گزر گئے رجوع نہ کیا تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔ لیکن جدید نکاح سے پھر بیوی حلال ہو سکتی ہے اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ قسم اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم آئے گا اور قسم پوری کر لے گا تب بھی نکاح باقی رہے گا اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔ ھذا الملخص من التفاسیر

مقصود بیان احکام معاشرت میں خصوصی سہولت، صلح آشتی اور ابقاء نکاح کی ضمنی ہدایت، مدت ایلاء گزرنے کے بعد طلاق کا وقوع اور عزم طلاق

toobaafoundation.com

دینے کی عدم ضرورت، عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا سبق اور اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کو ضرر اور رنج نہ پہنچایا جائے اور اگر غصہ کی حالت میں اُن کو رنج پہنچ جائے تو استمالت اور نرمی سے اس کی تلافی کرنی چاہیئے۔ اس صورت میں خدا تعالیٰ گزشتہ قصور معاف فرما دے گا۔ وغیرہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو (نکاحِ ثانی سے) روکے رہیں اور اگر ان کا ایمان اللہ اور روزِ قیامت پر ہے تو اُن کے لئے جائز

اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ

نہیں کہ جو چیز اللہ نے اُن کے رحم کے اندر پیدا کی ہو اس کو چھپالیں اس مدت میں ان کے شوہروں کو رجوع کر لینے کا زیادہ

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ

استحقاق ہے بشرطیکہ اُن کو اصلاحِ حال مقصود ہو اور عورتوں کا حق بھی مردوں پر ویسا ہی ہے جیسا (مردوں کا حق) عورتوں پر دستور کے مطابق ہو مگر مردوں کو

عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ ع ۲۸ ۱۲

عورتوں پر کچھ فوقیت ضرور ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں ایلاء کا بیان کیا گیا تھا جو طلاق کا پیش خیمہ ہے یا بذاتِ خود طلاق ہے۔ ان آیات میں مطلقہ عورتوں کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ ایامِ جاہلیت میں طلاق کی عدت کے بارے میں لوگ برابر جھگڑا وغیرہ کرتے تھے۔ عورتوں کو طلاق دے کر سال سال بھر الگ رہتے تھے اور پھر اس پر دعوا کرتے تھے۔ اس لئے بیچاری عصمت اس دوران میں نہ تو کہیں اور نکاح کر سکتی تھی، نہ شوہر اس کے ضروری مصارف کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس طرح عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا۔ اسماء بنت یزید انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دی تھی۔ عدت کے لئے کوئی مدت مقرر نہ کی تھی۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے آیاتِ مذکورہ میں مطلقہ عورت کی عدت بیان کر دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ جن عورتوں کو طلاقِ کمل دی گئی ہو تو ان کو تین حیض یا تین حیض کی مدت یعنی تین مہینہ تک اپنے آپ کو جدید نکاح سے روکنا چاہیئے۔ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اور جو چیز خدا نے ان کے رحم کے اندر پیدا کی ہے اس کو پوشیدہ نہ کریں۔ حیض کو ٹھیک ٹھیک حساب کے ساتھ ظاہر کریں۔ دوسرے شوہر کے ساتھ جلد نکاح کر لینے کی غرض سے حساب حیض کو چھپانا ناجائز نہیں۔ اسی طرح اگر پہلے شوہر کا بچہ رحم میں ہو تو اس کو بھی مخفی نہ کریں اور اس بات کا خوف نہ کریں کہ نو ماہ تک وضع حمل کا کون انتظار کرے گا۔ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اگر ان کو خدا اور روزِ قیامت پر ایمان ہے اور وہ یقین رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جانا ہے اور ہر ظاہر و مخفی بات کا حساب کتاب دینا ہے تو ایسی ناجائز حرکت کا ارتکاب نہ کرنا چاہیئے۔ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اگر عورت کا زمانہ عدت ختم نہ ہوا ہو (اور طلاق کی پوری تعداد بھی نہ ہوئی ہو) تو مردوں کو اختیار ہے کہ عورتوں سے رجوع کر لیں، یعنی زمانۂ عدت کے اندر اگر مرد طلاق سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کو مستقلاً اختیار ہے عورت کی رضامندی کو دخل نہیں ہے (اگر عدت کے بعد رجوع کرنا چاہا تو عورت کی رضامندی لازم ہے) اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا یعنی شوہروں کو واپسی کا اختیار تو ہے اور عورتوں کی رضامندی بھی ضروری نہیں ہے لیکن اس واپسی سے غرض اصلاح اور آپس کی بہبودی ہونی چاہیئے۔ عورت کو دکھ یا نقصان پہنچانے کی غرض نہ ہو۔ باہمی حقوق کی نگہداشت مقصود ہو۔ اگر یہ شرط متحقق نہ ہوگی تو مردوں کو رجوع کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح حسنِ سلوک، احسان اور خوبی معاشرت کے حقوق عورتوں کے مردوں پر بھی ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کے حقوق سلب کر لئے جائیں۔ حقوق میں دونوں برابر ہیں۔ تفاوت صرف کیفیتِ حقوق میں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر عورتوں اور مردوں کے حقوق

toobaafoundation.com

مساویانہ ایک دوسرے پر ہیں تو عورتیں مطلق العنان خود مختار اور شتر بے مہار ہو جائیں اور ہر وقت شوہر سے اختلافِ رائے اور لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار رہیں۔ آزادی کامل یا مظاہرۂ بیحیائی کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ مردوں کو پھر بھی ایک مخصوص فوقیت حاصل ہے۔ اُن کے اعضاء رقوی ہیں اور ہر قسم کی محنت برداشت کر سکتے ہیں۔ عقل میں نقصان نہیں، تدبر، مآل اندیشی اور جفاکشی میں ان کو امتیاز حاصل ہے۔ عورتیں عموماً کوتاہ بین، نازک اندام، کم قوت۔ اور ناقص الفہم ہوتی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عموماً مرد عموماً عورتوں سے امورِ مذکورہ کے اعتبار سے افضل ہیں۔ اب اگر کوئی خاص عورت امور مذکورہ میں مردوں سے افضل یا اُن کے مساوی ہو جائے تو کلیہ نہیں ٹوٹتا۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اس نے اپنی حکمت سے مردوں اور عورتوں میں یہ تفاوتِ جسمانی و عقلی اور اختلافِ فرائضِ صنفی پیدا کیا۔ مردوں کے فرائض علیحدہ بنائے اور ان کے اعضاء بھی ویسے ہی بنائے۔ عورتوں کے فرائض جُدا مقرر کئے اور ویسے ہی مخلقتِ اعضاء اُنکو عنایت کی۔ مردوں اور عورتوں کو مساویانہ حقوق دیئے۔ پھر اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور نظمِ عالم قائم رکھنے کے لئے مرد کو بعض امور میں عورت پر فضیلت عطا کی اور درجہ بڑھایا۔

مقصودِ بیان مطلقہ عورت کی عدت کا بیان، جدید شوہر کرنے کی جلدی میں حیض کے حساب میں غلطی کرنے یا پہلے شوہر کے حمل کو چھپانے کی ممانعت، مردوں کو رجوع کا مستقل حق حاصل ہونا، عورتوں کو دُکھ دینے اور ضرر پہنچانے کی غرض سے رجوع کرنے کی ضمنی ممانعت، انسان کے ہر دو صنف کے مساویانہ حقوق کا اعلان، ہر ایک کے فرائض زندگی اور واجباتِ حیات کی علیحدگی، مساوات و اتحاد قائم رکھنے کے لئے مردوں کے واسطے بعض امتیازی خصوصیات، اس تفاوتِ خلقی اور اختلافِ فرائض اور مردوں کی امتیازی خصوصیت کے پُر حکمت ہونے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ

چند مسائل جو عورتیں جوان ہوں اور رسمِ زفاف کی ادائیگی کے بعد اُن کو طلاق دی گئی ہو تو ان کی عدت کی میعاد تین حیض ہیں۔ جو عورتیں بہت بوڑھی ہو گئی ہوں کہ ادرارِ حیض نہ ہوتا ہو، یا بہت کم سن ہوں کہ استقرارِ حمل کے قابل نہ ہوں اُن کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ کو اگر طلاق دی تو وضعِ حمل تک اس کی عدت ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جائے۔ خواہ دو برس میں یا طلاق کے دوسرے روز بہر صورت اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ طلاق میں نیت ضروری نہیں اور نہ طلاق کی اطلاع عورت کو ضروری ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

طلاق دو بار (تک) ہے اس کے بعد یا تو حُسنِ سلوک کے ساتھ روک رکھنا چاہیئے یا حُسنِ خلق کے ساتھ آزاد کر دینا

تفسیر گذشتہ آیت میں جب مردوں کو مستقل طور پر طلاق کے بعد رجوع کر لینے کا حق دے دیا گیا تو بعض لوگ اپنی عورتوں کو بے تعداد طلاق دے دیتے تھے۔ پھر عورتوں کو ایذا پہنچانے کی غرض سے جب اُن کی عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو فوراً اُن سے رجعت کر لیتے تھے۔ وہ بیچاریاں بین بین حالت میں رہتی تھیں۔ نہ تو بیویوں کا سا برتاؤ اُن کے ساتھ ہوتا تھا اور نہ بالکل تعلق ہی منقطع ہوتا تھا کہ اس شوہر سے جدا ہو کر دوسرا شوہر کر لیں۔ چنانچہ ایک بار کسی انصاری نے اپنی بیوی سے کہا کہ واللہ میں تجھے ایسا کر کے چھوڑوں گا کہ تو نہ شوہر والی ہو گی نہ بے شوہر والی۔ یہ کہہ کر انصاری نے اس کو طلاق دے دی اور جب عدت گذرنے کا وقت قریب آیا تو رجعت کر لی پھر اس کو طلاق دیدی۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا۔ عورت نے حضرت عائشہؓ سے جا کر شکایت کی حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

یعنی صرف دو طلاق تک رجوع کرنے کا حق ہے اور دونوں طلاقیں بھی الگ الگ باری باری سے دینی چاہئیں۔ یہ نہیں کہ سینکڑوں طلاقیں ایک دم دے ڈالے۔ اب دو طلاقوں کے بعد یا تو حُسنِ معاشرت اور صلح صلاح سے عورت مرد رہیں۔ عورت پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو۔ ورنہ اچھی طرح اور حُسنِ سلوک سے چھوڑ دے پھر رجوع نہ کرے۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کرے یا ویسے نہ چھوڑے تو تیسری طلاق دے کر چھوڑ دے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو خوش معاملگی اور حُسنِ معاشرت کے ساتھ ہو۔ عورت کو دِق نہ کرے اور نہ اُس کے عیوب دنیا کے سامنے بیان کرتا پھرے۔ نہ اس کو گالی کوسنا دے نہ جسمانی تکلیف پہنچائے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان مَردوں کی زیادتی اور تعدی کی بندش، حُسنِ معاشرت اور خوش معاملگی کی تعلیم، عورت رکھنے اور چھوڑنے میں فرض شناسی اور خوش اسلوبی کی ہدایت، عورتوں پر ظلم وجبر کرنے اور اُن کو معلق رکھنے سے باز داشت، خلاصہ یہ کہ حقوق صنفی کا اظہار، نظامِ عالم کو درست رکھنے کی تلقین اور اتحاد و محبت کے ساتھ باہم برتاؤ کرنے کا حکم اور امنِ عامہ کے اسباب کا اعلان۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ

اور جو چیز تم عورتوں کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لینا تمہارے لئے جائز نہیں البتہ اگر زوجین کو اندیشہ ہو کہ احکامِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ

لہٰذا اگر تم کو اندیشہ ہو کہ زوجین احکامِ خداوندی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اُس مال کو (دے لینے دینے) کوئی ہرج نہیں جو عورت اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے مرد کو دے۔ یہ

اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ناحق کوش ہیں

تفسیر یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور اُن کی بی بی جیبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جیبہ کو ثابت نے ایک باغ مہر میں دیا تھا۔ جیبہ نے وہ باغ واپس کرکے خلع کرنا چاہا اور شوہر سے علیحدہ ہوجانے کی درخواست کی۔ اُس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ یہ آیت پہلی آیت کا تکملہ ہے۔ پہلی آیت میں عورتوں سے حُسنِ سیرت اور خوش معاملگی سے پیش آنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دے دیا ہے۔ خواہ مہر ہو یا بطور بخشش کے زیور کپڑا چڑھاوا اور دیگر سامان دیا ہو اُس میں سے کچھ زبردستی اور عورت کی ناراضگی سے واپس نہ لو إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ہاں اگر مرد نے دو طلاقیں دیدی ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو خیال ہو کہ اب ہماری قانونِ شریعت کے مطابق حُسنِ سلوک کے ساتھ نہ گزرے گی اور آئندہ نبھاؤ اچھا نہ ہوگا تو آئندہ کی تُوتُو مَیں مَیں سے یہی بہتر ہے کہ اگر عورت اپنی خوشی کچھ مال دے کر اپنے نفس کو آزاد کرانا چاہے تو اس سے مال لے کر آزاد کر دیا جائے۔ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ یہ زوجین کے اولیاء اور سرپرستوں کو خطاب ہے۔ یعنی اب اگر تم کو قرائن اور کیفیتِ احوال سے یہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں میں گزارا نہیں ہوسکتا، قوانینِ اسلام کے موافق یہ آپس میں مل کر نہیں رہ سکتے اور عورت مرد کو کچھ دے کر گلو خلاصی کرانی چاہے تو تم مت روکو۔ مرد کو چاہیئے کہ مال قبول کرلے اور اس کو چھوڑ دے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر عورت سرکش ہے تو دیئے ہوئے مہر سے زائد بھی لینا جائز ہے اور اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہے تو دیئے ہوئے مہر سے زائد لینا ہرگز جائز نہیں۔ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا یعنی مذکورہ بالا احکام خدائی قوانین ہیں جو سب لوگوں کو ایک حدِ مخصوص کے اندر رکھ کر کاربند اور عمل پیرا بنانے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان قوانین میں غریب، امیر، شریف، رذیل، عالم، جاہل اور بادشاہ و فقیر کی کوئی تفریق نہیں۔ تم کو ان سے سرِ مو تجاوز اور سرتابی نہ کرنی چاہئے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ کیونکہ جو لوگ قوانینِ الٰہی سے سرتابی کرتے ہیں اور ان کے دائرہ سے آگے بڑھتے ہیں وہ بیجا بات کرتے ہیں۔ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ وبالِ آخرت مول لیتے ہیں۔

مقصودِ بیان نظامِ عالم کی درستگی اور بقا کے لئے قانونِ خلع کا اجراء، فساد و تباہی سے دنیا کو بچانے کے لئے خلع کی شرط پر کاربند ہونے کی ہدایت، حتی الامکان زوجین میں صلح کرانے اور میل جول پیدا کرنے کی کوشش کرنے کا ضمنی امر اور بصورتِ مایوسی یا بوقتِ مجبوری خلع کرنے سے نہ روکنے کا حکم، قوانینِ الٰہی میں مساواتِ عامہ کا اظہار اور امتیازِ نسل، قومی وجاہت، ذاتی شرف، حاکمانہ تفوق اور علم ودولت کی برتری و فضیلت کی بنا پر کسی کو عام قانون سے مستثنیٰ کرنے کی نفی، قوانینِ الٰہی پر پابند رہنے اور احکامِ شریعت کے سامنے رشتہ در گردن اور حلقہ بگوش

toobaafoundation.com

رہنے کی نصیحت ۔ بصورت خلاف ورزی عذاب کی وعید ۔ وغیرہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

پھر اگر مرد عورت کو طلاق دیدے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کوئی دوسرا شوہر نہ کرلے اب اگر دوسرے شوہر نے اس کو طلاق

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ

دیدی تو (پہلے) شوہر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہیں اگر پھر (نکاح کرکے) مل جائیں بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ احکام خدا کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کے احکام

اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

ہیں سمجھدار آدمیوں کے لئے خدا ان کو صاف صاف بیان کرتا ہے

تفسیر یہ آیت عائشہ بنت عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے شوہر رفاعہ سے طلاق پانے اور ایام عدت گزارنے کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کر لیا لیکن انھوں نے قبلِ جماع طلاق دے دی تو عائشہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شوہر یعنی رفاعہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا نہیں جب تک جماع کے بعد طلاق نہ ہو حلالہ درست نہیں اور پہلے شوہر کے نکاح میں آنا جائز نہیں۔

آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی تو اب اس شوہر کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہا اور عورت اس کے لئے حرام ہوگئی۔ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر یہ عورت کسی اور شخص سے نکاح کرلے اور دوسرے شوہر سے قربتِ صحیح بھی ہو جائے اور پھر وہ طلاق بھی دیدے تو زمانۂ عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ پہلے دو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا تھا پھر ذیلی حکم خلع کا دیا گیا۔ اس کے بعد حلالہ کا جواز ظاہر کیا گیا۔ یہ آیت حلالہ والی آیت کا تتمہ ہے۔ گویا حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جب عورت زوجِ ثانی سے نکاح کرلے اور پھر یہ شوہر بھی منافعِ صنفی سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد اس کو طلاق دیدے اور طلاق کے بعد زمانۂ عدت بھی گزر جائے تو اب کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اور زوجِ اول باہم میل کرلیں اور جدید نکاح کرلیں بشرطیکہ یہ خیال ہو کہ ہم قانونِ الٰہی کے موافق نہایت اتحاد و ملاپ کے ساتھ گزارا کر سکیں گے اور ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں گے لیکن زوجِ ثانی سے یہ شرط نہ کرلی جائے کہ تجھے نکاح کے بعد طلاق ضرور دینی ہوگی۔ عورت کا تیسرے ساتھ نکاح اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ پہلے شوہر سے عورت کے نکاح کا جواز ہو جائے۔ حدیث میں ایسے لوگوں پر لعنت کا حکم آیا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ یعنی مذکورہ بالا خلع اور حلالہ کے احکام خدا کے قائم کردہ قوانین ہیں۔ خدا نے سمجھدار اور ذی فہم لوگوں کے منافع کے لئے ان کو بیان کیا ہے تاکہ ہوشیار اور مدبر کے دماغ رکھنے والا طبقہ اس کے فوائد پر غور کرے اور سمجھے کہ ان احکام کے تحت میں کیا اسرار و مصالح ہیں۔ خلع سے کس قدر حقوقِ نسوانی کی تکمیل، مساواتِ صنفی کا اظہار نظامِ معاشرت کی درستگی اور قانونِ تمدن کی اصلاح ہوئی ہے اور حلالہ میں کیسے کیسے راز پوشیدہ ہیں۔ شوہر اول اپنے فعل کردہ یعنی طلاق کی پوری سزا برداشت کرلیتا ہے اور دوبارہ نکاح کرنے کے بعد پھر اس کو طلاق دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لوگوں کو جب اس قانون کا علم ہوتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس وقت جوشِ غضب میں آکر طلاق دیدی اور پھر رجوع نہ کیا تو آئندہ پچھتانا پڑے گا۔ عورت کے راز دار اور لوگ ہو جائیں گے۔ اگر ہم دوبارہ نکاح کرنا چاہیں گے تو جب تک کوئی دوسرا شوہر منافع جنسی اس سے حاصل نہ کرلے ہم نکاح نہ کر سکیں گے۔ اس حمیت انگیز خیال کی وجہ سے اکثر لوگ طلاق جیسے مکروہ فعل کی طرف اقدام نہ کریں گے اور مغلوب الغضب نہ بنیں گے۔

مقصود بیان حلالہ کا جواز، شوہر اول کو اس کے فعل کردہ کی کافی سزا برداشت کرلینے کا دجیل امر، طلاق کی کراہت کا ضمنی اظہار، منزلتِ عائشہ اور اصلاحِ معاشرت کے لئے عدیم المثال قانون کا اجراء، حقوقِ صنفی کی ادائیگی کی طرف لطیفہ اشارہ، نظامِ معاشرت کی اصلاح اور

toobaafoundation.com

اختلاطِ نطفہ اور اشتراک فی النسب سے محفوظ رکھنے کے لئے عدت کا لزوم۔ تعاونِ الٰہی کی پابندی کا بغیر کسی تفریق و امتیاز کے وجوبی حکم۔ وغیرہ

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی مدت پوری کرنے کو ہوں تو یا تو حسنِ معاشرت کے ساتھ اُن کو روک رکھو یا حُسنِ سلوک سے اُن کو آزاد کر دو

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا

اور تکلیف دینے کے لئے اُن کو نہ روک رکھو کہ پھر اُن پر زیادتی کرنے لگو اور جو شخص ایسا کرے گا وہ کچھ اپنا ہی کھوئے گا اور اللہ

تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ

کے احکام کا مذاق نہ اُڑاؤ اور اللہ نے جو احسان تم پر کئے ہیں ان کو یاد کرو اور جو کتاب و شریعت اس نے تم پر نازل

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

کی ہے اس سے تم کو نصیحت دیتا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ خدا سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ثابت بن یسار نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور جب عدت گزرنے کے تین دن باقی رہے تو رجعت کرلی پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونے سے تین روز قبل رجعت کرلی اور پھر طلاق دیدی۔ اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اس فعل کی ممانعت کردی گئی۔

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دیدی جائے اور عدت کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہو تو یا تو رجعت کرلینی چاہیئے لیکن عورت کو ضرر و تکلیف پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ دستور کے مطابق اصلاحِ معاشرت اور ادائے الفت کے لئے یا اس کو آزاد کر دینا چاہیئے لیکن آزادی میں بھی اس کو ضرر پہنچانے کا خیال نہ کیا جائے تنگ نہ کیا جائے۔ زدوکوب لعن طعن اور دراز دستی نہ کی جائے بلکہ حُسنِ سلوک اور شرافتِ انسانی کو مدِ نظر رکھ کر آزاد کر دیا جائے۔ اگر اس کو روکا جائے اور رجعت کرنے کا خیال ہو تب بھی اس کو دُکھ پہنچانے اور اس پر زیادتی کرنے کے ارادہ کو دور رکھا جائے۔ دستور کے مطابق خوش معاملگی اور حُسنِ نیت کے ساتھ اس کو روکا جائے۔

وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ اگر کوئی شخص عورت پر زیادتی کرنی چاہے گا اور اس کو ضرر و تکلیف پہنچائے گا خواہ رجعت کی صورت میں یا آزادی کی صورت میں تو وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اپنے فعل کا خمیازہ اس کو برداشت کرنا ہوگا۔ عورت کی حق تلفی کا عذاب اس کی گردن پر ہوگا۔

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ طلاق دیدی اور کہہ دیا کہ ہم نے تو یونہی دل لگی میں کہہ دیا تھا اسی طرح غلام آزاد کر دیا اور کہہ دیا کہ ویسے ہی مذاق سے ہم نے آزاد کیا تھا۔ اسی کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ احکامِ الٰہی محلِ مذاق نہیں ہیں ان کو لہو و لعب کی طرح بے وقعت نہ سمجھو بلکہ احکامِ شریعت کی پابندی کرو۔ جو لفظ شریعت کے مطابق زبان سے نکالو اس پر عمل بھی کرو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اور جو جو نعمتیں خدا تعالیٰ نے تم کو عطا فرمائی ہیں اُن کو یاد کرو اور شکریہ ادا کرو۔ تم پہلے گمراہ تھے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرما کر نورِ ایمان سے تمہارے دلوں کو روشن کیا۔ ذلت کے بعد عزت اور ضعف کے بعد قوت عنایت کی۔ بد افعالی اور ریا کاری کے بجائے اخلاقِ فاضلہ سے تم کو آراستہ کیا۔ یہ سب خداداد نعمتیں ہیں۔ ان کا شکر واجب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ قرآن پاک اور حکمت (وحی خفی یعنی احادیثِ رسول اللہ) سے تم کو سرفراز کیا اور ان پر عامل ہونے کی تم کو ہدایت کی۔ لہٰذا تم کو نہایت کوشش سے حکمِ الٰہی پر کاربند

toobaafoundation.com

ہونا چاہیئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اتقائے نفس اور تعمیل حکم الٰہی کا التزام کرنا چاہیئے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور سمجھ رکھنا چاہیئے کہ خدا سب کچھ جانتا ہے۔ جیسے بول لفظ طلاق یا غلام کو آزاد کرنے کے متعلق تم نکالتے ہو اور جو نیت رکھتے ہو اُس سے بھی واقف ہے اور یہ بھی اس کو علم ہے کہ تم اس کے احکام کا مذاق اُڑاتے ہو یا نہیں۔

مقصود بیان

نہایت بلند آہنگی سے حقوقِ نسوانی کے تحفظ کا اعلان، عورت کو چھوڑنے اور رکھنے کی دونوں صورتوں میں شرافتِ انسانی اور قانون عدل پر کاربند رہنے کا درس، عورتوں کی حق تلفی کرنے والوں اور ان پر زیادتی کرنے والوں کے لئے سخت وعید، حالتِ صلح وجنگ دونوں میں قانونِ عدالت کی پابندی کی مسلمانوں کو ہدایت، خداداد نعمتوں کی یاد دہانی اور ان کا شکریہ ادا کرنے کا وجوبی حکم، اس امر کی ضمنی صراحت کہ احادیثِ رسول اور قرآن پاک نعمتِ عظمیٰ ہے اور تمام جسمانی و روحانی نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یعنی پیدائش اور تربیت بھی نعمتیں ہیں، مال و دولت، عزت و جاہ سب نعمتیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ کیونکہ یہی حیاتِ حقیقیہ کے حصول کا سرچشمہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے احاطۂ علمی کا بیان اور اس بات کی تصریح کہ کوئی چیز اس کے دائرۂ علمی سے خارج نہیں۔ وغیرہ

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو پھر اُن کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

بشرطیکہ دستور کے مطابق وہ باہم رضامند ہو جائیں یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

رکھتا ہو یہ تمہارے لئے بڑی مفید اور پاکیزہ بات ہے اور اللہ واقف ہے اور تم ناواقف ہو

تفسیر

معقل بن یسار مزنی نے اپنی بہن کا نکاح حضرت عبداللہ بن عاصم سے کیا تھا۔ عبداللہ نے کسی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عدت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد پھر انہوں نے اسی مطلقہ بیوی کو نکاح کا پیام بھجوایا اور وہ بھی رضامند ہو گئی۔ لیکن حضرت معقل نے کہا کہ عبداللہ میں نے اپنی بہن کو تیرے نکاح میں دے کر تیری عزت افزائی کی تھی لیکن تو نے قدردانی نہ کی اور اس کو طلاق دے دی۔ اب تو پھر نکاح کرنا چاہتا ہے۔ پس اب نکاح ہونا ناممکن ہے میں ہرگز اب تیرے ساتھ نکاح نہ ہونے دوں گا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت معقل نے آیت کو سُن کر عبداللہ بن عاصم کو خود بلا کر اپنی بہن کا دوبارہ اُن کے ساتھ نکاح کر دیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو ایک یا دو طلاقیں دے چکو اور ان کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے تو اب اگر اُن کے شوہر اور وہ باہم نکاح جدید کرنے پر بخوشی رضامند ہوں تو اُن کو عورت کے سرپرست نہیں روک سکتے لیکن شرط یہ ہے کہ دستور کے موافق نکاح کریں۔ ایسا نہ ہو کہ چھپ چوری کر لیں، یا پہلے یارانہ گانٹھ کر بعد کو نکاح کریں۔ بلکہ نہایت شرافت و پاکیزگی کے ساتھ باعزت طریقہ پر نکاح کرنا چاہیں تو پہلے شوہروں سے بھی کر سکتی ہیں کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی یہ نصیحت مسلمانوں کے لئے ہے۔ وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کا ایمان خدا اور روزِ آخرت پر ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ہی تعمیلِ احکام کی ہم کو جزا دے گا۔

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ یہ فعل یعنی تراضی زوجین کی صورت میں اُن کو نکاح سے نہ روکنا۔ عورت اور مرد کے اولیاء کے لئے نہایت پاکیزگی اور صفائی کا کام ہے۔ کیونکہ وہ طلاق دینے کے بعد ضرور میاں بیوی کو ایک دوسرے سے تعلق خاطر رہتا ہے یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ عورت کو تیسری طلاق نہیں دیتا اور جب

toobaafoundation.com

تعلق خاطر باقی رہا اور نکاح جدید سے اُن کو روک دیا گیا تو زنا کا خوف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ خفیہ تعلقات پیدا کرلیں جس سے بدنامی، عزت کی بربادی اور وبال دنیوی واخروی دونوں کے گردن پر رہے گا لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اُن کا باہم نکاح ہونے دیا جائے اس میں زنا وغیرہ کا احتمال نہیں، بدنامی اور خاندانی عزت کی بربادی کا شبہ نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ کیا واقع میں اُن کو ایک دوسرے سے لگاؤ بھی ہے اور اس نکاح کا نتیجہ اچھا ہوگا اور نکاح نہ کرنے کا ثمرہ برا نکلے گا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ لوگوں کو اس کا علم نہیں نہ کوئی اس اجازت نکاح کے فوائد سے واقف ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کے نکاح کرنے سے کیا فوائد برآمد ہوں گے اور نکاح نہ کرنے دینے سے کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی۔

مقصود بیان اگر مرد نے عورت کو دو طلاقیں دے دیں اور عدت کا زمانہ ختم ہوگیا تو دوبارہ بلا حلالہ کے زوجین نکاح کرسکتے ہیں کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

آیت میں چند امور کی طرف لطیف اشارات کئے گئے ہیں۔ محبت زوجین کے جذبات کی رعایت۔ نکاح جدید کو ملا وننگ خیال کرنے کی ممانعت۔ مرد وعورت کے خفیہ معاملات کی بازداشت۔ شرافت انسانی اور عزت خاندانی کو باقی رکھنے کی کوشش نکاح سے قبل یارانہ کرنے یا خفیہ طور پر نکاح کر لینے سے امتناع۔ زنا اور دواعی زنا سے اجتناب کی لازمی ہدایت۔ طہارت نفسانی پاکیزگی اخلاق اور محاسن تمدن حاصل کرنے کا حکم حمیت جاہلیت اور منفرت انگیز قومی یا خاندانی رسوم کی بیخ کنی۔ مدنیت اور اجتماع انسانی کو تباہ کرنے والے رسم ورواج کے ترک کر دینے کا امر۔ وغیرہ۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ حکم اس کا ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہتا ہو اور

عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ

جس کا وہ بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا حسب دستور لازم ہے مگر کسی کو برداشت سے زائد تکلیف نہ دی جائے نہ ماں کو

وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا

اس کے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث پر بھی ایسا ہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ

فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

باہمی رضامندی اور مشورہ سے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو کوئی ہرج نہیں ہے اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی سے

تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

دودھ پلوانا چاہو تو کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ جو ان کو دینا ٹھہرا ہے وہ حسن سلوک کے ساتھ دے دو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور خدا سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر ۔ ان آیات میں دودھ پلانے کا حکم ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ حکم ان عورتوں کے لئے مخصوص ہے۔ جن کو طلاق دی گئی ہے۔ اکثر مفسرین نے

toobaafoundation.com

یہی بیان کیا ہے۔ ابن حجر کا بھی یہی مختار ہے، لیکن بعض لوگ عموم حکم کے قائل ہیں۔ طلاق کے بعد مرد و عورت میں ایک دشمنی و بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مطلقہ عورت کا کوئی شیر خوار بچہ رہ جائے تو اس کے دودھ پلانے کے متعلق جھگڑا ہو سکتا ہے۔ عورت خواہ مخواہ یا کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کی وجہ سے اس بچے کی طرف سے بے التفاتی کرتی ہے اور اس کو دودھ پلانے سے انکار کرتی ہے اور شوہر کو اس کی پرورش میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف بغض و عناد کی وجہ سے مرد مطلقہ عورت سے بچہ کو چھیننا چاہتا ہے تاکہ عورت کو بچے کی جدائی کی تکلیف ہو، اس لئے آیاتِ مذکورہ میں ان تمام امور کا فیصلہ کر دیا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔ استحقاقِ اُجرت ان کو دو سال دودھ پلانے کا ہے اور یہ حکم اس شخص کو دیا جاتا ہے جو مدت رضاعت کی تکمیل کرانی چاہے یعنی دو سال سے زائد دودھ پلانے پر عورت کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر اپنی خوشی سے زائد مدت تک پلائے تو استحقاق اجرت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور بچوں کے باپ پر لازم ہے کہ رضاعت کی اجرت میں بچوں کی ماں کو دستور کے موافق روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے یعنی نہ تو اُن کو تکلیف دی جائے کہ اُن سے بچہ چھین لیا جائے یا اُجرت بہت ہی کم دی جائے اور نہ مرد پر زیادتی کی جائے کہ اُس کے حوصلے سے زائد اس پر عورت کے مصارف کا بار ڈالا جائے بلکہ حیثیت کے موافق نان و نفقہ کی خبر گیری کی جائے۔ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا خلاصہ یہ کہ کسی شخص کو فریقین میں سے ناقابلِ برداشت یا تکلیف دہ کام پر مجبور نہ کیا جائے۔ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا یعنی نہ تو بچے کی ماں کو تکلیف دی جائے کہ اس کی اولاد چھین لی جائے یا دیرس سے عنادًا زبردستی دودھ پلوایا جائے یا اجرت رضاعت نہ دی جائے یا نان و نفقہ اس کو کم دیا جائے۔ وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اور نہ باپ کو ضرر پہنچایا جائے کہ شیر خوار بچے کی پرورش اُس کے سر ڈال دی جائے یا نان و نفقہ کا اتنا گراں بار اُس کے سر پر ڈال دیا جائے کہ اُس میں برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو۔ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ اور اگر باپ نہ ہو تو اس کے وارثوں پر بھی اسی طرح کا نان و نفقہ واجب ہے جس طرح باپ پر واجب تھا۔ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ اب اگر والدین باہمی مشورہ اور رضامندی کے بعد بچہ کا دودھ (دو سال سے کم میں) چھڑانا چاہیں اور مدت رضاعت کی تکمیل نہ کرنی چاہیں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اُن کو اختیار ہے کیونکہ والدین کو جتنی شفقت و محبت اپنی اولاد سے ہو سکتی ہے اتنی دوسرے کو نہیں ہو سکتی اور والدین جس قدر اپنی اولاد کے مصلحت بین ہوتے ہیں اتنا غیر آدمی نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ یہ خطاب والد اور والدہ دونوں کو ہے یعنی اگر ماں باپ کو یہ منظور ہو کہ بچے کو کسی دائی کا دودھ پلائیں اور اس میں والدہ کی یا والد کی کوئی مصلحت ہو۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مقررہ اجرت بخوبی کامل طور پر بسہولت ادا کر دی جائے کہ پھر کوئی جھگڑا یا کمی بیشی نہ کی جائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ خدا سے ڈرتے رہو نیت اچھی رکھو اور شرع الٰہی کے مطابق اعمال پر کاربند ہو یہ نہ خیال کرو کہ ہمارے اس فعل کی کس کو خبر ہوگی۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔ تمہارے ہر فعل کو دیکھتا اور ہر نیت کو جانتا ہے۔

مقصود بیان آیت میں عورت کو دودھ پلانے کی اور بچے پر شفقت کرنے کی طرف ایک لطافت آمیز ترغیب ہے یعنی یہ کہا گیا کہ عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ وہ تمہاری ہی اولاد ہے اور تمہارا جزو ہے وہ تمہاری شفقت و محبت کی مستحق ہے، اس لئے تم کو دودھ پلانا چاہیئے اور باپ کے سر نہ ڈالنا چاہیئے۔ اسی طرح باپ کو رحم دلانے کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس کے تم باپ ہو، اس لئے اُس کی سرپرستی نگہداشت، تربیت اور اُس کی حفاظت جان کے اسباب مہیا کرنا تمہارا فرض ہے تم پر لازم ہے کہ اُس کی ماں کے سر پر خواہ مخواہ نہ ڈال دو بلکہ رضاعت کی اجرت مقدرت کے مطابق ادا کرو۔

آیت میں مساوات صنفی، تحفظ حقوق، اولاد پر رحم و شفقت اور اصول تمدن کا زریں ذخیرہ موجود ہے۔ ناقابلِ برداشت یا تکلیف دہ امور پر مجبور کرنے کی ممانعت ہے۔ دایہ سے دودھ پلوانے کی اجازت کی بھی صراحت ہے۔ دو سال سے کم ہی بشرط رضامندی والدین دودھ چھڑانے کی بھی اباحت ہے اور اخیر میں نیک اعمال ادائیگی حقوق اور حسنِ نیت کی طرف ترغیب نماز ترغیب ہے۔

چند مسائل: دو برس کامل دودھ پلانا ضروری نہیں بلکہ والدین باہم مشورہ کر کے اگر دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دیں تو جائز ہے۔

toobaafoundation.com

لیکن اگر صرف عورت یا صرف مرد بغیر دوسرے کی رضامندی کے دودھ چھڑانا چاہے تو جائز نہیں۔
آیت کا حکم اگرچہ مطلقہ عورت کے متعلق ہے، لیکن اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حکم عام ہے۔ بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں بیوی کا نان نفقہ بحق زوجیت ہے۔

دودھ پلانے کی مدت زائد سے زائد دو سال ہے اس سے زائد جائز نہیں۔
ماں اگر معذور نہ ہو تو اُس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے اور اگر منکوحہ ہو یا مدت میں ہو تو اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں اس کو نان نفقہ بحق زوجیت اور دوسری صورت میں بحق مدت ملے گا اجرت کی ضرورت نہیں۔
اگر مدت ختم ہوگئی تو بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔
اگر مدت ختم ہوجائے اور عورت دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس سے جبریہ دودھ نہ پلوایا جائے گا یعنی اجرت دینے کے بعد بھی جبر نہ کیا جائے گا ہاں اگر بچہ دوسری عورت کا دودھ نہ پیئے تب جبر کیا جائے گا۔
اگر ماں دودھ پلانا چاہے تو باپ کے لیے جائز نہیں کہ اُس سے چھڑا کر دوسری انّا کا دودھ پلائے۔ ہاں اگر ماں کا دودھ بچے کو نقصان دیتا ہو تو دوسری کا دودھ پلانا جائز ہے۔
باپ موجود ہو تو بچے کی پرورش کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے اور جب باپ مر جائے اور بچہ کا مال (بطور ترکہ) موجود ہو تو بچے کے مال ہی سے اُس کی پرورش کا صرفہ دیا جائے گا۔ اگر بچہ مفلس ہو باپ نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو باپ کے جو قریبی عزیز اور محرم ہیں اور شرعاً مستحق میراث ہیں اُن کے ذمّہ بچہ کی تربیت کے مصارف ہوں گے۔
انّا کا دودھ پلوانا جائز ہے، لیکن جو اجرت طے ہوجائے اُس کی ادائیگی بلا کم و کاست اور بغیر رگڑے جھگڑے کے ضروری ہے۔ وہ اس کو دینی لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو عورتوں کو چار ماہ دس روز اپنے آپ کو روک رکھنا

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

چاہیئے پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو شریعت کے مطابق جو کچھ وہ اپنے حق میں کریں تم پر اس کا

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے کل اعمال سے باخبر ہے

تفسیر مدت تین طرح کی ہوتی ہے (۱) عدت طلاق اس کے حکم اور مقدار کا گزشتہ آیات میں ذکر ہو گیا۔ (۲) عدت وفات اس کا بیان اس آیت میں کیا گیا (۳) مدت اس حاملہ کی جس کا شوہر مر گیا ہو اس کا حکم آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ میں ذکر کیا گیا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ۱۔ جن عورتوں کے شوہر مر جائیں اور وہ حاملہ بھی نہ ہوں تو اُن پر لازم ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا کہ چار ماہ دس شب نکاح جدید اور مناسبات نکاح سے پرہیز رکھیں۔ زیب و زینت سُرمہ خوشبو وغیرہ سے الگ رہیں اور بغیر ضرورت خاص اس گھر سے باہر نہ نکلیں جس گھر میں شوہر نے وفات پائی ہے تاکہ نکاح سابق کی عزت حرمت کا اظہار، بے وفائی کے اسباب و مناسبات سے اجتناب اور شوہر سے محبت کے جذبات کا

toobaafoundation.com

ظاہر ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ شوہر کا بچہ شکم میں ہے یا نہیں۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ پھر جب مدت مقررہ ختم ہو جائے اور چار ماہ دس روز گزر جائیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ تو اب کسی مسلمان کو حق نہیں کہ ان کو ان کے شخصی تصرف اور ذاتی استحقاق نکاح سے روکے وہ آزاد ہیں زیب و زینت کر سکتی ہیں، سرمہ اور خوشبو لگا سکتی ہیں، نکاح کر سکتی ہیں، لیکن یہ تمام امور شرع عزتِ خاندان اور حرمت اسلام کے موافق ہونی چاہئیں۔ کوئی فعل تعزیت کے بعد بھی ایسا نہ ہونا چاہیئے جس سے بد وضعی کا شبہ ہو سکے اب اگر کوئی روکے گا اور عورت کو اس کے جائز حق سے محروم کرے گا تو وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ چونکہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے تمام اعمال کی خبر ہے۔ اس لئے وہ اس حق تلفی کی سزا دے گا۔

مقصود بیان جس عورت کا شوہر مرجائے اس کے لئے چار ماہ دس روز عدت کرنے اور سوگ کرنے کا وجوب۔ شوہر سابق کے عزت اور حرمت کی پاسداری صحبت زوجیت کا مظاہرہ خلوص نطفہ کی ضرورت کی طرف لطیف اشارہ اور محسن فروشی کی ایک ناقابلِ زوال حکمت آمیز ضمنی ممانعت۔ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کی صراحت اور ان کو اپنے نکاح کا مستقل اختیار لیکن قانونِ شرع اور خاندانی قومی عزت کی پاس داری اُن کے لیے ضروری ہے۔ اگر ملی قومی یا شرعی نقطۂ نگاہ سے اُن کا نکاح ناجائز ہو یا بد وضعی کا شبہ تو ہر مسلمان مرد ہر مسلمان عورت کو روک سکتا ہے۔ علیکم میں خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔ حمیت جاہلیت یا رسم قومی کی بنا پر عورتوں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم کر دینے پر وعید۔ وغیرہ۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ عورتوں سے نکاح کا پردہ پردہ میں پیام دو یا دل میں چھپائے رکھو اللہ کو

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ

معلوم ہے کہ تمہیں ان عورتوں کا ضرور خیال پیدا ہوگا لیکن اُن سے نکاح کا وعدہ خفیہ نہ کرو ہاں رواج کے مطابق بات کرلو تو کوئی حرج نہیں

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

اور جب تک مقررہ میعاد پوری نہ ہو جائے عقدِ نکاح کا قصد نہ کرو اور جانے رہو کہ اللہ تمہارے دلوں کی

مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ ع

بات جانتا ہے لہٰذا اُس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا بُردبار ہے

تفسیر وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ یعنی جس عورت کا شوہر مرگیا ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا یا کھلم کھلا نکاح کا پیام بھیجنا تو ناجائز ہے۔ لیکن اگر پردہ پردہ میں پیام بھیجو جس سے نکاح کی خواہش ٹپکتی ہو، مگر صراحت نہ ہو۔ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ یا اُس سے نکاح کرنے کا ارادہ اپنے دل میں چھپائے رکھو۔ بالکل اظہار نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ خدا کو معلوم ہے کہ تم صبر نہ کر سکو گے بیوہ عورت سے ضرور نکاح کرو گے اور اس کو نکاح کا پیام بھیجو گے۔ اس لیے خدا نے تمہارے لیے پردہ پردہ میں نکاح کی خواہش کے اظہار کی اجازت دے دی۔ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا لیکن تم کو صرف پیام بھیجنے کی اجازت ہے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہیئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ خلوت و تنہائی میں پوشیدہ طور پر تم عورتوں سے نکاح کا وعدہ لے لو یہ تو صرف پیام ہے۔ بھی جائز ہے اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ہاں دستور کے موافق کوئی بات کہو تو یعنی نکاح کا پیام بھیجو وہ الفاظ جو عرفاً جائز ہیں۔ اگر ان کا استعمال کرو تو تمہارے لئے مباح ہے پھر اگر پردہ میں پیام

toobaafoundation.com

بھیجیں عورت کی رضامندی کا خفا آمیز اظہار ہو جائے تو وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ جب تک عدت مقررہ پوری نہ ہو جائے اُس وقت تک عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو اور اظہار رضامندی کے باوجود دوران عدت میں نکاح نہ کرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ اور یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اس سے واقف ہے لہٰذا تم کو اس سے خوف کرنا چاہیے۔ عورتوں کے متعلق کوئی بدنیتی نہ کرو اور نہ تنہائی میں اُن سے عہد و پیمان لو یہ خیال نہ کرو کہ سوائے ہمارے اس کو کون جانتا ہے کیوں کہ خدا تعالیٰ انسان کے دلی ارادوں سے بھی واقف ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ اگر سزا میں تاخیر ہو تو دلیر نہ ہونا چاہیے کیوں کہ خدا غفور ہے اور سب سے بڑھ کر حلم رکھتا ہے اور اپنے حلم کی وجہ سے وہ فوراً عذاب نہیں دیتا ہے۔

مقصود بیان طہارت نفس، پاکیزگی اخلاق، صفائے ظاہر و باطن اور شرافت انسانی کی تعلیم، عزت و حرمت کے باقی رکھنے کا حکم، ممنوع شئے کے ارتکاب کی طرف جو چیزیں مائل کرنے والی ہیں یا جن امور سے امر ممنوع کے ارتکاب کا اندیشہ ہے اُن کی ممانعت بھی مرد و عورت کے خفیہ عہد و پیمان اور میثاق نکاح سے باز داشت تہذیب اخلاق، رونق تمدّن اور اصلاح معاشرت کی تکمیل کی طرف اشارہ، اس بے وقوف کور بصیرت شخص کے سر پر ایک کاری ضرب جو خدا کے تحمل و پردہ پوشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور جانتا ہے کہ میرے اس فعل کا خدا کو علم نہیں اور اپنی اس جہالت کی وجہ سے اور زیادہ گناہوں پہ دلیر ہو جاتا ہے۔ وغیرہ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ

جب تک تم نے عورتوں سے قربت نہ کی ہو اور نہ مہر معین کیا ہو اگر (ایسی صورت میں) تم عورتوں کو طلاق دیدو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور مطلقہ عورتوں سے سلوک کرو فارغ البال شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق اور نادار پر اسکی حیثیت کے مطابق حسب دستور سلوک کرنا ضرور ہے یہ بات نیکوں پر لازم ہے

تفسیر طلاق کی ایک قسم اوپر بیان کردی گئی یعنی جس عورت کا مہر معین کر دیا گیا ہو اور اس کو قربت کے بعد طلاق دی ہو تو اس کا پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ یہاں دوسری قسم کا ذکر ہے جو بالکل پہلی قسم کی ضد ہے یعنی اُس عورت کو طلاق دی جس کا نہ تو مہر معین کیا گیا تھا نہ اُس سے قربت کی گئی ہے اگر ایسی صورت پیش آجائے وَمَتِّعُوْهُنَّ تو ایسی عورت کو کم از کم کچھ خرچ دینا چاہیئے جس کی مقدار باعتبار سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم تین کپڑے یعنی ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر مثل ہے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ لیکن یہ حکم سب کے لیے یکساں نہیں ہے بلکہ وسعت و تنگ دستی کے اعتبار سے فرق ہے جو لوگ دولت مند اور فراخ دست ہیں اُن کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیئے۔ حضرت امام حسن نے دس ہزار درہم دیئے تھے اور جو تنگ دست مفلس ہیں اُن کو اپنے مقدور کے موافق دینا چاہیئے یعنی کم از کم ایک جوڑا مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ عورت کو یہ سامان دستور کے موافق دینا چاہیئے۔ اس کی حق تلفی نہ کرنی چاہیئے لیکن یہ حق وجوبی نہیں ہے بلکہ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ اُن لوگوں پر حق ہے جو نیکی کرنی چاہتے ہیں۔

مقصود بیان اپنے قول کی پاسداری کی تعلیم اور اس امر کا اظہار کہ صرف زبانی نکاح سے بھی عورت کے حقوق متعلق ہو جاتے ہیں خواہ اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور نہ اس سے منافع صنفی حاصل کئے ہوں ناقابل برداشت حکم کی بندش اور عامۃ الناس کے لئے سہولت کا لحاظ وغیرہ

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور اگر قربت سے پہلے تم نے اُن کو طلاق دی ہو اور اُن کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو مقرر کردہ مہر کا نصف حصہ دینا

toobaafoundation.com

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا

لازم ہے ہاں اگر عورتیں معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے اختیار میں عقدِ نکاح ہے (تو کچھ نہ دینا بھی جائز ہے) اور معاف

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

کردینا پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے اور آپس کے احسان کو نہ بھولو اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تفسیر اوپر طلاق کی دونوں قسمیں اُن کے احکام اور عدت و مہر کا بیان کردیا گیا یہاں طلاق کی تیسری صورت بیان کی جاتی ہے یعنی وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً اگر نکاح کے وقت عورت مہر مقرر کردیا، مگر قربت سے قبل اُس کو طلاق دے دی تو ایسی عورت کے لئے مہر ضروری ہے، لیکن فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ مقرر کردہ مہر کا نصف کیوں کہ منافع صنفی حاصل نہیں کئے ہیں اور مہر مقرر ہوچکا ہے لہٰذا دونوں پہلوؤں کا لحاظ ضروری ہے تاکہ نہ عورت کی حق تلفی ہو نہ مرد پر زیادتی ہو۔

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ ہاں اگر عورت خود معاف کردے اور مہر بالکل نہ لے۔ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ یا شوہر اپنی طرف سے درگزر کرے اور پورا مہر دے دے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے (الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے حضرت علی اور اکثر صحابہ کے نزدیک شوہر ہی مراد ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور اسی کے مطابق ہم نے تفسیر لکھی ہے، لیکن حسن مجاہد اور شافعی وغیرہ کے نزدیک اس سے مرد و عورت کے سرپرست ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورت خود معاف کردے اور اگر عورت نابالغ ہو تو اس کے ولی معاف کردیں تو کوئی ہرج نہیں ہے) وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى یعنی صورتِ مذکورہ میں نصف مہر ادا کرنا واجب ہے، لیکن اگر عورت معاف کردے بالکل نہ لے یا مرد درگزر کرے پورا مہر دے دے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے اتقاء نفس کے زیادہ قریب ہے۔ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ مرد کے واسطے یہی موزوں ہے کہ کل مہر دے دے کیوں کہ مرد کو خدا تعالیٰ نے فضیلت عطا کی ہے ہر جگہ سے کما سکتا ہے۔ عورت ضعیف الخلقت اور نازک اندام ہے لہٰذا فضیلت صنفی کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے اور قوی الخلقت کو نازک اندام رکھنے والی صنف کے ساتھ مراعات کرنی چاہیئے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور خدا سے اس کے اجر کا طلبگار ہونا چاہیئے وہ سب کے اعمال کا نگراں ہے کسی کی نیکی ضائع نہ کرے گا۔

مقصودِ بیان جس عورت سے قربت نہ کی ہو اور مہر مقرر کردیا ہو اس کو طلاق کی صورت میں نصف مہر دینے کا جواز، لیکن کل مہر دینے کی فضیلت۔ مروت، تسامح، چشم پوشی، بلند حوصلگی اور اتقاء نفس کی تلقین۔ اس امر کی طرف لطیف اشارہ کہ عورتوں کے حقوق میں جہاں تک ہوسکے احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ ایک روپیہ کی بجائے دو دو روپے دینے چاہئیں گویا تحفظ حقوق نسوانی کی طرف ایک وعدہ آمیز ترغیب ہے اور عمومی مساوات اور ہمدردی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

ہدایتِ خاص ابن مردویہ نے بہ روایت حضرت علی رضہ بیان کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمان اپنے ہاتھ کی چیز کو دانت سے پکڑ کر رکھے گا اور احسان و تفضل کرنا بھول جائے گا۔ حالاں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ بدکار لوگ ہوجائیں گے جو مجبور و مضطر لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اپنے مسلمان بھائی کی طرف بھی بڑھادو اور اس کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرو کیوں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اُس کو غمگین نہیں کرتا اور نہ اس کو محروم رکھتا ہے۔ جب کسی کے پاس سوال کرنے والا آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو سائل کے لئے دُعا ہی کردے (رواہ ابن حاتم)

حٰفِظُوْا عَلَي الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○

نمازوں کی پابندی رکھو خصوصاً بیچ کی نماز اور اللہ کے آگے مؤدب کھڑے رہا کرو

toobaafoundation.com

تفسیر

کلام ربانی کا دستور ہے کہ انسانی معاملات اور عبادات کی ملی جلی تعلیم دیتا ہے اگرچہ مسائل حقوق انسانی کے متعلق بیان کئے جاتے ہیں تو پھر دو چار آیات میں فرائض الٰہی کا بھی تذکرہ کر دیا جاتا ہے تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ قرآن صرف ایک شق کو اختیار کرتا ہے انسانی حقوق کو ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حقوق الٰہی سے تعرض نہیں کرتا یا فرائض خداوندی ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اصول تمدن، اصلاح اخلاق اور نظام عالم کی درستگی سے اُس کو کوئی سروکار نہیں۔ گزشتہ آیات میں طلاق عدت مہر اور بعض دیگر امور کا بیان تھا جن کا تعلق حقوق انسانی سے تھا اور انتظام عالم کی اصلاح اُن کے ساتھ وابستہ تھی اب ان آیات میں فریضہ الٰہی کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ کے شان نزول میں مفسرین نے ایک روایت لکھی ہے کہ لوگ عصر کی نماز پڑھنے میں تاخیر کر دیتے تھے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کے قریب ہو جاتا تھا اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی:۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دیگر اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے اُس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اس کے بعد مسلمانوں نے نماز میں بولنا اور اشارہ کرنا ترک کر دیا۔

صلوٰۃ وسطیٰ کو خدا تعالیٰ نے مبہم ہی رکھا ہے تاکہ اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں لوگ کل نمازوں کی پابندی رکھیں۔ یہی وجہ ہے اس کی مراد میں صحابہ میں بڑا اختلاف ہوا ہے۔ کیونکہ پانچوں نمازوں میں سے ہر نماز دو دو نمازوں کے درمیان ہے اس اعتبار سے ہر نماز صلوٰۃ وسطیٰ اور درمیانی نماز ہو سکتی ہے۔ کسی نے اس سے فجر کی نماز کسی نے ظہر کی نماز کسی نے عشاء کی نماز اور کسی نے عصر کی نماز مراد لی ہے۔ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے موافق بیان کیا تاہم راجح قول یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے کیونکہ عصر کی نماز ٹھیک وسط میں ہے اس سے قبل دن کی دو نمازیں یعنی فجر و ظہر ہیں اور اس کے بعد رات کی دو نمازیں یعنی مغرب و عشاء واقع ہیں۔ گویا اس کا وسط ہونا دو حیثیت سے ہے ایک تو یہ کہ یہ دو نمازوں کے درمیان ہے یعنی دن کی دو نمازیں اس سے مقدم ہیں اور رات کی دو نمازیں اس سے مؤخر ہیں۔ اس کے علاوہ رات کی نماز شروع ہونے سے قبل اور دن کی نمازیں ختم ہونے کے بعد اس کا وقت ہے، اس لئے اس کو درمیانی نماز کہا جا سکتا ہے۔ صحیحین کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ:۔ مسلمانو! (جہاں تم حقوق کی نگہداشت کرتے ہو وہاں فرائض الٰہی کی ادائیگی میں بھی کوشش کرو۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اس کا بھی لحاظ رکھو) کل نمازوں کی پابندی کرو۔ خصوصیت سے عصر کی نماز کا تو بہت ہی لحاظ رکھو۔ یعنی یہی وقت بازاری کاروبار کا ہے ایسا نہ ہو کہ تم کاروبار میں مشغول رہ کر اس نماز کی طرف سے غافل ہو جاؤ۔ تم کو تمام کام چھوڑ کر عصر کی نماز ادا کرنی چاہیئے اور نمازوں کی ادائیگی میں مہلت نہ کیا کرو۔ نہ اس دوران میں کوئی اشارہ یا کلام کیا کرو بلکہ خدا کے سامنے ادب سے خاموش رہا کرو اور نہایت خشوع و خضوع سے کھڑے ہوا کرو۔ یہ فرض نا قابل تنسیخ ہے۔ کسی حالت میں اس کی معافی نہیں۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

اب اگر تم کو (دشمن کا) خوف ہو تو پیادہ یا سوار (پڑھ لیا کرو) پھر جب اطمینان ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا تم کو سکھایا جو تم نہ جانتے تھے

تفسیر

یہاں تک کہ اگر تم دشمن کے مقابلے پر ہو اور خوف ہو کہ کہیں دشمن حملہ نہ کر دے اُس وقت بھی یہ فریضہ معاف نہیں ہاں اس کے بعض احکام و شرائط میں تخفیف ضرور ہے۔ اگر دشمن کا خوف ہو تو تم میں سے جو سوار ہو وہ سواری کی حالت میں اور جو پیادہ ہو وہ پیادہ ہونے کی حالت میں نماز پڑھو نہ رکوع و سجود کا لحاظ ضروری ہے نہ قبلہ رُو ہونے کا مقصود محافظت اور پابندی ہے۔ نماز ترک نہ کرو۔ جب خوف کی حالت نہ ہو امن چین ہو جائے تو پھر انہیں ارکان و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرو جو تعلیم کر دیے گئے ہیں۔ قبلے کی طرف رُخ کرو۔ رکوع اور سجدہ قعود و قیام کا التزام کرو۔

مقصود بیان

فریضہ بدنی یعنی نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید۔ صلوٰۃ خوف بوقت قتال کی ترکیب۔ لڑائی کے وقت ارکان و شرائط نماز کا سقوط۔ اس امر کی طرف نازک اشارہ کہ اختیار رہا ہو کی حالت میں فرض الٰہی کے ظاہری ارکان بھی ساقط نہیں ہوتے ہاں اضطرار یا خوف کی حالت میں ظاہری شرائط و ارکان کی پابندی لازم نہیں ہے مگر نفس فریضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى

اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو لازم ہے کہ اپنی بیبیوں کے لئے سال بھر تک کے خرچ

الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ

اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں پھر اگر وہ عورتیں خود نکل جائیں اور شریعت کے مطابق کچھ اپنے لئے کرلیں تو اس کا تم

مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

تفسیر درمیان میں نماز کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا تاکہ حقوق ناس کی ادائیگی کے ساتھ فریضۂ الٰہی اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی اہمیت بھی محفوظ ہے۔ اب پھر انہیں انسانی معاملات کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

معالم میں محی السنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حارث طائف سے مدینے کو ہجرت کرکے آئے اُن کے ہمراہ والدین، اولاد اور بیوی وغیرہ ورثا موجود تھے۔ مدینے میں ان کا انتقال ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور اولاد کو اس کا ترکہ تقسیم کردیا۔ بیوی کو کچھ نہیں دیا بلکہ وارثوں کو حکم دے دیا کہ اس عورت کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ایک سال کا نفقہ دے دیں اور سکونت کے لئے جگہ بھی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

زمانۂ جاہلیت میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور میت وصیت کر جاتا تھا کہ عدت کے اندر ہی اس کو نکال باہر کر دینا۔ وارث بیچاری عورت کو میت کی وصیت کے مطابق دورانِ عدت میں ہی نکال کر باہر کر دیتے تھے اور نان نفقہ کچھ نہ دیتے تھے وہ بیچاری اس زمانے میں نہ تو جدید نکاح کرسکتی تھی نہ اس کی معاش کا کوئی ذریعہ ہوتا تھا۔ اسلام میں بجائے ایک سال کی عدت کی مدت چار ماہ دس روز رکھی گئی اور چوں کہ اس وقت تک آیتِ میراث نازل نہ ہوئی تھی اور عورت کا کوئی شرعی حصہ ترکہ میں مقرر نہ کیا گیا تھا، اس لئے یہ رعایت رکھی گئی کہ اگر بیوہ اپنے متوفی شوہر کے ترکہ میں ایک سال تک رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے۔ سال بھر تک ترکہ میں ہی اس کو نان نفقہ اور سکونت کا مکان ملے گا۔ کوئی اس کو ان حقوق سے محروم نہیں کرسکتا اور اگر چار ماہ دس روز عدت کرلے کے بعد بقیہ ایام میں نہ رہنا چاہے تو اس کو اختیار ہے۔ عدت کے بعد جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح کرلے۔ جب آیت میراث نازل ہوئی اور شوہر کے ترکہ میں سے عورت کے لئے چوتھا یا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا تو سال بھر کے نفقہ اور سکونت کا حکم منسوخ ہوگیا چناں چہ جمہور اسلام کے نزدیک یہ آیت منسوخ الحکم ہے اور عدت والی آیت یا میراث والی آیت اس کی ناسخ ہے، لیکن ابن جریر وغیرہ کے نزدیک اس آیت کا حکم بدستور باقی ہے۔ چار ماہ دس روز کا نفقہ تو عدت کی وجہ سے ملے گا اور سات ماہ بیس ایام کا نفقہ حسب وصیت ملنا ضروری ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مرنے کے قریب ہوں اُن پر لازم ہے کہ اپنی بیویوں کے متعلق ورثا کو وصیت کر دیں کہ ہماری بیویوں کو سال بھر تک نان نفقہ اور سکونت کا مکان دینا ان کو نکال نہ دینا مکان وفات میں ان کو رکھنا۔ فَاِنْ خَرَجْنَ لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے چلی جائیں، تمہاری طرف سے اُن پر جبر و زیادتی نہ ہو اور وہ خود کہیں نکاح جائز طور پر کرنا چاہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ تو جو کچھ وہ زیب و زینت عدت کے بعد کریں اور دستور کے موافق ذاتی تصرف کرنا چاہیں تمہارے لئے اُن کے فعل سے کوئی نقصان نہیں ہے نہ تم کو روکنے کا حق ہے۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ خدا تعالیٰ غالب اور حکیم ہے اُس کا کوئی فعل و حکم حکمت سے خالی نہیں ہے۔ رسم جاہلیت کو اُس نے اپنی حکمت سے باطل فرمایا۔ عورت کے حقوق کا تحفظ کیا عورت کو مختار بنایا اور وارثوں کو ممانعت کی کہ زبردستی بیوہ کو گھر سے نہ نکالو، لیکن اگر عدت کے بعد وہ خود چلی جائے اور نکاح کرنا چاہے تو تم نہ روکو۔

مقصودِ بیان ۔ حقوق نسوانی کا بیان۔ عورتوں کے ساتھ حُسن سلوک کی ہدایت یہاں تک کہ اپنے انتقال کے بعد بھی بیوہ کی ضروری آسائش کا

toobaafoundation.com

ضروری لحاظ بیوہ پر زیادتی کرلے اور اس کے بے کس ہونے کی حالت میں محتاج مطلق کرکے گھر سے نکال دینے کی ممانعت۔ رسوم جاہلیت کا ابطال بیوہ کو عدت کے بعد تمام انسانی فطری اختیارات کی تفویض۔ اور عدت کے بعد شرعی زیب و زینت اور شریفانہ نکاح کی اجازت۔ وغیرہ۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں سے خوشخوئی کے ساتھ سلوک کرنا پرہیزگاروں پر لازم ہے اسی طرح تمہارے فائدہ کے لئے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ع ۱۵

اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو

تفسیر اس آیت میں مطلقہ عورت کے نفقہ کا بیان ہے اور پہلی آیت میں بیوہ کے مصارف و سکونت کا ذکر کیا گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو اُن کی عدت کے زمانے کے لئے مصارف ضروری دینے واجب ہیں (بیضاوی و مدارک) مگر توفیق و مقدور کے موافق ہونے چاہیں دولت مند پر اُس کی حیثیت کے مطابق ضروری ہیں اور غریب پر اُس کے مقدور کے لائق۔

بعض لوگوں نے آیت کا ایک نشان نزول بیان کیا ہے وہ یہ کہ جب اُس عورت کو نفقہ دینے کا حکم دیا گیا جس سے قربت نہ کی ہو اور نہ اُس کا مہر مقرر کیا ہو اور قربت سے قبل ہی طلاق دے دی جائے تو ایک شخص کہنے لگا کہ خدا تعالیٰ نے حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا ہے لہٰذا میں اگر احسان کرنا چاہوں گا تو دوں گا اور احسان نہ کرنا چاہوں گا تو نہ دوں گا۔ اُس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ نفقہ اور متعہ دینا واجب ہے۔ جس عورت کو طلاق دی جائے خواہ کوئی ہو اور کسی حالت میں طلاق دی گئی ہو قبل قربت یا بعد از قربت بہر حال نفقہ ضرور ہے (البتہ مقدار نفقہ میں تفاوت ہے) حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ خدا تعالیٰ نے یہ حق ایمان داروں اور خدا ترسوں پر لازم کر دیا ہے۔ کسی کو اس سے انحراف کی اجازت نہیں ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی خدا تعالیٰ نے یہ حکمت آمیز اور پر مصلحت حکم دیا اسی طرح خدا تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم اُن کے منافع و مصالح پر غور کرو اور سمجھو کہ یہ احکام کس قدر فوائد سے لبریز ہیں۔ اصول تمدن، آداب معاشرت، امن عامہ اور اصلاح اخلاق میں اُن کو کس قدر دخل ہے۔

مقصود بیان نان نفقہ دینے کا وجوبی حکم۔ مطلقہ عورت کے استحقاق کا اظہار۔ مطلقہ کو نفقہ دینے میں مرد و عورت دونوں کے واسطے اعتدال اور توسط کی ہدایت اور کمی بیشی کی ممانعت وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ

(اے محمد) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے پھر ان کو اللہ

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

نے حکم دیا کہ مر جاؤ (وہ مر گئے) پھر اللہ نے اُن کو زندہ کیا بلاشبہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے مگر اکثر

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

آدمی نہیں مانتے

toobaafoundation.com

تفسیر ایک بار قوم بنی اسرائیل میں طاعون پھیلا بعض لوگ ڈر کے مارے وطن چھوڑ کر بھاگ گئے، لیکن موت کے پنجے سے کہاں بھاگ سکتے۔ خداتعالیٰ کے حکم سے سب کو ایک دم موت آگئی اور آٹھ دن یا اس سے زائد مُردہ رہے پھر حضرت حزقیل کی دُعا سے زندہ ہوگئے اور مدتوں تک موت کا اثر ان کے بدن پر قائم رہا جو کپڑا استعمال کرتے وہ کفن کی طرح ہو جاتا۔ اس طرح بلا سبب موت اور بلا سبب حیات کا ان کو مشاہدہ ہوگیا۔ شیخ ابن کثیر نے اس قصہ کو ذرا مفصل لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی ضلع یا بستی کے رہنے والے بنی اسرائیل وبا میں مبتلا ہوگئے جب بیماری کی کثرت ہوئی تو مرنے کے خوف سے یہ بھاگ کر جنگل کو چلے گئے کچھ ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ خداتعالیٰ نے دو فرشتے ان کی موت کے لئے مسلّط فرما دیے۔ ایک نے نشیبی زمین میں پہنچ کر اور دوسرے نے بلندی پر چڑھ کر کرخت لہجہ میں آواز دی "سب مر جاؤ" یک دم سب کے سب مر گئے۔ کئی روز کے بعد جب دوسری بستی والوں کو اطلاع ہوئی اور انھوں نے دفن کرنے کا ارادہ کیا تو چونکہ لاشوں میں تعفن آگیا تھا بدبو کی وجہ سے وہ دفن نہ کر سکے۔ مجبوراً لاشوں کے اردگرد پتھر اور لکڑیاں ڈال دیں اور احاطہ کر دیا تاکہ کوئی جانور اندر جا کر کسی لاش کو کھا نہ سکے۔ کچھ زمانے بعد لاشیں گل کر خاک ہوگئیں اور ہڈیاں پڑی رہیں۔ ایک زمانہ دراز کے بعد حضرت حزقیل جو حضرت موسیٰ کے بعد تیسرے خلیفہ تھے اُدھر سے گزرے اور خداوند تعالیٰ سے دُعا کی کہ میرے ہاتھ پر ان کو زندہ کر دے۔ خداتعالیٰ نے حضرت حزقیل کی دُعا قبول فرمائی اور تمام پراگندہ خاک کو جمع کر کے گوشت پوست کی شکل میں تبدیل فرما کر ان کے اندر رُوح ڈالی اور سب لوگ زندہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ خوابِ دراز کے بعد ہم بیدار ہوئے ہیں اور بالآخر سب نے توحید و قدرتِ الٰہی کا اقرار کیا۔

حاصل آیت یہ ہے کہ کیا اے نبی آپ کو ان لوگوں کا قصہ نہیں معلوم جو ہزاروں کی تعداد میں اپنی آبادیوں سے موت کے ڈر کے مارے بھاگ نکلے تھے کہ کہیں یہ دبا ہم کو بھی نہ کھالے۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا لیکن خداتعالیٰ نے اُن کے متعلق حکم دیا کہ مر جاؤ۔ حسب الحکم وہ مر گئے اور کوئی زندہ نہ بچا۔ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ پھر مدت کے بعد اُن کو زندہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ کا تماشا دکھایا اور ثابت کر دیا کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ خداتعالیٰ ہمیشہ لوگوں پر مہربانی فرماتا ہے۔ واضح دلائل اور کھلے کھلے ثبوت و آیات اُن کو دکھاتا ہے اور ان کو راہِ فلاح پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ لیکن اکثر آدمی خدا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ نفس و شیطان کے بندے بنے رہتے ہیں۔ انعامِ الٰہی کی ناشکری کرتے ہیں، قضا و قدر سے بھاگتے ہیں۔

مقصودِ بیان حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت، قضا و قدر پر راضی رہنے کی صراحت، اس بات پر یقین رکھنے کی ہدایت کہ موت اور زندگی سب خداتعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ آئی ہوئی موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ آیت میں مذکورۂ ذیل امور کی بھی ہدایت ہے: موت کا ایک وقت مقرر ہے، نامردی اور بزدلی فضول بلکہ مضرت رساں ہے، خدا قادرِ مطلق ہے جس طرح مار سکتا ہے اسی طرح زندہ بھی کر سکتا ہے، حشرِ جسمانی بھی اس کے نزدیک دشوار نہیں، چونکہ آئندہ آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے یہاں جہاد و جنگ پر جراٴت دلائی ہے۔ وغیرہ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جانے رہو کہ اللہ سننے والا باخبر ہے

تفسیر یعنی جب موت کا ایک وقت مقرر ہے اور قضاء الٰہی سے رہائی ناممکن ہے تو پھر ایسی موت اختیار کرنی چاہیئے جو خوشنودیٔ خدا کا سبب ہو لہٰذا راہِ خدا میں جہاد کرو۔ اشاعتِ اسلام اعلانِ توحید اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے دشمنانِ دین سے لڑو اور سمجھ لو کہ خداتعالیٰ تمہارے اقوال کو سُنتا ہے اور تمہارے احوال کو جانتا ہے۔ وہ واقف ہے کہ تم میں سے کون راہِ خدا میں قربان ہونے کا حوصلہ رکھتا ہے اور کون ہمت ہار کر بزدل بن کر مردہ ہوا جاتا ہے۔

مقصودِ بیان ۔ جہاد کی ترغیب، اشاعتِ اسلام اور اعلانِ توحید کا ضمنی حکم، جزا و سزا کی طرف ایماء وغیرہ۔

toobaafoundation.com

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ

ہے کوئی ایسا　کہ اللہ کو　قرض حسنہ دے　تاکہ اللہ اس کے دیئے ہوئے قرض کو　چند گنا　بڑھا دے

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

اور اللہ تنگدست بھی کرتا ہے اور فراغ دست بھی اور اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے

تفسیر گزشتہ آیت میں راہِ خدا میں قتال کرنے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا یہاں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیوں کہ جہاد مالی اور جانی دونوں قسم کا ہوتا ہے پہلے جہاد جانی کا تذکرہ ہوا اور یہ جہاد مالی کا بیان ہے ارشاد ہوتا ہے کہ :- کون شخص خدا کو قرض حسن دینا چاہتا ہے یعنی کون شخص راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہتا ہے، لیکن یہ قرضِ حسن وہ نہیں ہے جس کا کوئی ثمرہ حاصل نہ ہو اور بے سود جائے بلکہ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ خدا تعالیٰ نے اس کے دیئے ہوئے قرض سے سود در سود اور ضعف در ضعف بڑھا کر اس کو عطا فرمائے گا جس کی مقدار دس گنا سے لے کر سات سو بلکہ جو وہ سو گنا تک ہوگی لہٰذا ایسا مفید اور ثمرہ انگیز قرض دینے میں تم کو پیش قدمی کرنی چاہیے اور راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنا چاہیئے کیوں کہ اگر نہ دوگے تو چوں کہ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ رزق و مال کی تنگی فراخی خدا ہی دستِ قدرت میں ہے، اس لئے شاید وہ بھی تم کو نہ دے اور پھر آخرت میں تو دینے اور نہ دینے کا نتیجہ ملے گا ہی کیوں کہ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ سب کو اسی کے سامنے جانا ہے اُسی نے پیدا کیا تھا اور واپس پھر وہی بلائے گا فیاضی و بخل کا نتیجہ وہی دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضؓ نے خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا خدا تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے ؟ ارشاد فرمایا ہاں ۔ ابوالدحداح نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دستِ مبارک دراز کیجئے ۔ حضورؐ نے اُن کی طرف ہاتھ پھیلا دیا ۔ ابوالدحداح رضؓ نے دستِ مبارک پکڑ کر عرض کیا میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دیا (اس باغ میں چھ سو درخت کھجوروں کے تھے) پھر ابوالدحداح رضؓ نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ باغ میں سے نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے مولا کو قرض دے دیا ۔

مقصودِ بیان اخوتِ عامہ، مساواتِ اسلامیہ، ایثارِ نفس، مالی قربانی، اعلانِ اسلام، اشاعتِ توحید، فقیروں کی غم خواری، مسکینوں کی ہمدردی، بے کسوں کی امداد، کافروں سے جہاد اور ضرورت مندوں کی پرورش کرنے کی لطیف ترین ترغیب، ثواب کی امید اور عذاب کا خوف دلانا اس امر کی طرف اشارہ کہ جو ضرورت مند اور محتاج طبقہ کو نہیں دیتا خدا بھی اُس کو نہیں دیتا ۔ رزق و مال، تنگی و فراخی، داد و دہش سب اسی کے دستِ قدرت میں ہے ۔ وغیرہ ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ

(اے محمدؐ) کیا تم کو موسیٰ کے بعد　بنی اسرائیل کی جماعت　کی حالت　معلوم نہیں　جبکہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا　کہ ہمارا

لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

ایک بادشاہ　مقرر کر دیجئے　تاکہ ہم راہِ خدا میں لڑیں　نبی نے کہا　اگر تم پر　جہاد فرض　کر دیا گیا　تو بہت ممکن　ہے

اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا

تم نہ　لڑو　کہنے لگے　ہم راہِ خدا میں　کس طرح　جہاد نہ　کریں گے　حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے نکالے

toobaafoundation.com

وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ○

جا چکے ہیں لیکن جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یہ قصہ بھی مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے اور ہر قسم کی قربانی کرنے کے واسطے تیار ہو جانے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ سے گیارہ سو سال پہلے کا ہے۔ تورات میں اس کی بہت بڑی تفصیل ہے۔ ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ مفصل بیان کریں تاکہ قرآن کا بیان کردہ قصہ واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔ لیکن ہم توریت سے نقل کرنی نہیں چاہتے بلکہ علمائے اسلام مثلاً بغوی، ابن کثیر، محی السنۃ اور دیگر علماء کی روایتوں پر اعتبار کرتے ہوئے ذیل میں کسی قدر بسیط مقالہ لکھتے ہیں:-

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور توریت پر عمل کرنے کی انھوں نے لوگوں کو ہدایت کی۔ حضرت یوشعؑ کے بعد کالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے پھر حزقیل خلیفہ ہوئے۔ حزقیل کے بعد بنی اسرائیل میں بہت بڑی بڑی بدعتیں پھیل گئیں۔ عہود الٰہی فراموش کر دیئے گئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے بُت پرستی بھی شروع کر دی۔ اس وقت حضرت الیاسؑ مبعوث ہوئے۔ اسی طرح انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اور بنی اسرائیل کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر میں حضرت الیسع نبی بنا کر بھیجے گئے۔ لیکن بنی اسرائیل کی سرکشیاں بڑھتی گئیں۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا جس کو تابوت سکینہ کہا جاتا تھا۔ اُس کے اندر توریت کا نسخہ، حضرت موسیٰؑ کی عصا اور حضرت ہارون کا جبّہ تھا۔ یہ صندوق نہایت متبرک تھا۔ جب تک بنی اسرائیل احکام الٰہی کی تعمیل کرتے رہے تو کوئی قوم اُن پر ظفریاب نہ ہو سکی۔ لیکن جب ان کی نافرمانیاں اور سرکشیاں حد سے گزر گئیں اور عہدِ توریت کو انھوں نے بالکل فراموش کر دیا تو خدا تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا اور مختلف لڑائیوں میں ان کو شکستیں اٹھانی پڑیں اور ایک جنگ میں تو تابوت بھی ان سے چھین لیا گیا۔ محی السنۃ نے معالم میں بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل گناہ و سرکشی میں غرق ہو گئے تو اُن کے دشمن اُن پر غالب آنے لگے۔ چنانچہ ان کا ایک سب سے بڑا دشمن ظاہر ہوا اور اُن کی بیخ کنی کے درپے ہو گیا۔ یہ قوم بلشاشا تھی جو بحر روم کے کنارے مصر و فلسطین کے درمیان رہتی تھی۔ انہی کو عمالقہ کہا جاتا ہے ان کے بادشاہ کا نام جالوت تھا۔ قوم بلشاشا بنی اسرائیل پر غالب ہو گئی۔ ان کے بہت ممالک انھوں نے فتح کر لئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان میں سے صرف شہزادے اور شہزادیاں ۴۴۰ تھے۔ عمالقہ نے ان پر جزیہ بھی مقرر کیا۔ خلاصہ یہ کہ بنی اسرائیل کو عمالقہ کے ہاتھوں بُری طرح ذلت نصیب ہوئی اور ناقابلِ برداشت مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ کی نسل میں ہمیشہ نبوت چلی آئی تھی۔ لیکن ان کی نسل میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ صرف ایک حاملہ عورت بچی تھی۔ بنی اسرائیل اس عورت کی بڑی نگہداشت کرتے تھے اور امیدوار تھے کہ اس کے شکم سے شاید نرینہ فرزند پیدا ہو اور وہ ہماری زائل شدہ عزت پھر واپس دلادے اور اس کی وجہ سے ہماری یہ ذلت دور ہو جائے۔ عورت بھی دعا کرتی تھی کہ الٰہی مجھے فرزندِ نرینہ عطا فرما۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے اس عورت کو لڑکا عنایت فرمایا۔ عورت نے لڑکے کا نام اشموئیل رکھا۔ جس کے معنی عبرانی میں یہ ہیں کہ خدا نے میری دعا سُن لی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس لڑکے کا نام شمعون تھا۔ بالآخر اشموئیل یا شمعون نے بہترین تربیت پائی۔ علومِ توریت حاصل کئے اور بالغ ہونے کے بعد خلعتِ نبوت سے اس کو سرفراز کیا گیا۔ حضرت شموئیل نے دعوتِ توحید دینی شروع کی اور لوگوں کو توریت کے اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کی۔ بنی اسرائیل نے ان کی تکذیب کی اور کہنے لگے تم نے نبوت کے دعوے میں بہت جلدی کی۔ قبل از وقت دعویٰ کر دیا۔ ابھی تم نبی نہیں ہوئے ہو۔ اور اگر تم واقع میں نبی ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرو، جس کی زیرِ قیادت ہم دشمن پر غالب آئیں۔ اس درخواست کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کا تقرر نبی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ بادشاہ کی حکومت پر دعایا متفق ہوتی تھی اور بادشاہ نبی کا فرمانبردار ہوتا تھا۔ ایک شخص ہی نبی اور بادشاہ نہ ہوتا تھا۔ لاوی بن یعقوب کی اولاد میں نبوت ہوا کرتی تھی اور یہودا بن یعقوب کی اولاد میں سلطنت۔ جب قوم نے حضرت شموئیل سے بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تو حضرت شموئیل نے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور دشمنوں کی مدافعت تم پر فرض کر دی جائے اور پھر تم انحراف کر جاؤ۔ سب لوگوں نے پختہ عہد کر لیا۔ حضرت شموئیل بادشاہ کی تلاش میں نکلے۔ آن کے پاس ایک لاٹھی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ اتنا دراز قد اگر تم کو مل جائے تو اُسی کو بادشاہ بنالو۔ چنانچہ بڑی تلاش کے بعد بنیامین بن یعقوب کی نسل میں ایک شخص شادل نامی

toobaafoundation.com

ملا اسی کو عربی میں طالوت کہا جاتا ہے۔ یہ قوم کا موچی یا سقا یا چرواہا تھا۔ لیکن نہایت تندرست تن آور، قوی الجثہ اور تمام بنی اسرائیل سے زائد ذی علم تھا۔ حضرت شموئیل نے بنی اسرائیل سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ بنی اسرائیل بولے کہ یہ تو نہ انبیاء کی نسل سے ہے، نہ سلاطین کی نسل سے، نہ لاوی کی اولاد سے ہے، نہ یہودا کی اولاد سے، پھر ہم اس کو کس طرح بادشاہ تسلیم کرلیں۔ ہم بادشاہت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ یہ شخص ذلیل قوم کا بھی ہے اور بالکل نادار ہے۔ نہ اس کے پاس نسلی شرافت ہے کہ اپنی خاندانی وجاہت سے لوگوں کو قابو میں لے آئے۔ نہ مال ہی ہے کہ روپیہ دے کر رعایا کو مسخر کرسکے۔ شموئیل بولے کہ لوگو! کیا خدا کے انعام میں تمہارا ٹھیکہ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور طالوت تو تم سے قدآور اور طاقت ور بھی ہے۔ علم میں بھی تم سے زائد ہے۔ پھر بادشاہ کے لئے اور کس بات کی ضرورت ہے اور اگر اب بھی تم کو اس کی بادشاہت میں کچھ شبہ ہے اور خیال کرتے ہو کہ میں نے اپنی طرف سے اس کو بادشاہ بنایا ہے۔ خدا نے اس کو مقرر نہیں کیا ہے تو اس کے ثبوت میں میں کہتا ہوں کہ وہ تابوت جو دشمن تم سے چھین کر لے گئے ہیں طالوت اس کو لے آئے گا۔ اس شرط پر سب رضا مند ہوگئے۔ چنانچہ طالوت اس متبرک صندوق کی تلاش میں بحکم پیغمبر چل دیا اور جنگل میں ایک بیل گاڑی پر اس کو آتا ہوا دیکھا کیونکہ دشمنوں کے واسطے وہ تابوت منحوس ثابت ہوا تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ نحوست بنی اسرائیل میں ہی پھیلانا چاہیئے۔ اس لئے ایک گاڑی پر صندوق کو رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا تھا۔ طالوت اس صندوق کو لے آیا اور قوم نے اس کی سلطنت تسلیم کرلی۔ طالوت نے لشکر جمع کیا اور تین لاکھ یا ایک لاکھ یا اسی ہزار یا ستر ہزار بہرحال ایک جرار فوج لے کر عمالقہ سے مقابلہ کرنے کے لئے چل دیا۔ حضرت شموئیل نے طالوت سے کہا کہ یہ لوگ تعداد میں تو بہت ہیں لیکن حکم الٰہی ہے کہ ان کی آزمائش کی جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون شخص عہد کی پابندی کرنے والا اور مصائب پر صبر کرنے والا ہے اور کون شخص عہد شکن بزدل ہے۔ چنانچہ پیغمبر کے حکم کے بموجب طالوت نے قوم سے کہا کہ بھائیو! راستہ میں دریائے شاروق آنے والا ہے اور تم کو پیاس کی شدت ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص ایک چلو سے زائد پانی نہ پیئے۔ اگر کوئی اس سے زائد پیئے گا تو میرے ساتھ سے رہ جائے گا اور میری قوم سے بھی خارج سمجھا جائے گا۔ سب نے وعدہ کرلیا۔ طالوت فوج کو آگے بڑھائے چلے۔ جب دریائے شاروق سے عبور کا موقع آیا تو سوائے تین سو دس آدمیوں کے کوئی صبر نہ کرسکا۔ سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ دوسرے کنارے پر پہنچے تو کہنے لگے اب تو ہم میں جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، ہم اس سے نہیں لڑ سکتے۔ لیکن تعمیل احکام کرنے والی قلیل جماعت بولی کہ آدمیوں کی کثرت اور قوت پر فتح وظفر موقوف نہیں ہے بلکہ خدا کی امداد پر موقوف ہے۔ بہت سی قلیل تعداد کثیر جماعت پر بحکم الٰہی غالب ہوجاتی ہے لیکن ان عہد شکن بزدلوں نے ایک نہ مانی اور بالآخر طالوت کو قلیل جماعت کے ہمراہ چھوڑ دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں میں جتنے آدمی باقی تھے وہ سب پکے مومن اور صابر تھے۔ لیکن پھر بھی طالوت کو خیال ہوا کہ جماعت قلیل ہے کسی طرح ان کو جرأت دلائی جائے تاکہ ہر شخص جاں نثاری کے لئے تیار ہوجائے۔ چنانچہ قوم میں اعلان کردیا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کا نکاح اپنی بیٹی کے ساتھ کردوں گا۔ لیکن اس اعلان کے باوجود کسی کو قتل جالوت کی ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ جالوت بڑا دیو ہیکل انسان تھا۔ اس کے علاوہ فاتح قوم کا بادشاہ تھا۔ بالآخر حضرت شموئیل سے درخواست کی کہ آپ دعا کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ جالوت کو کون شخص قتل کرے گا۔ حضرت شموئیل نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ ایشا کا ایک لڑکا جالوت کو قتل کرے گا۔ ایشا طالوت کے ہمراہیوں میں سے تھے اور ان کا سلسلۂ نسب یہودا ابن یعقوب سے ملتا تھا۔ یعنی ایشا ابن عوبید بن عابو بن سلمون بن نحسون بن عمران بن رام بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب۔ ایشا کے بارہ بیٹے تھے۔ گیارہ قدآور، خوش رو، طاقتور اور ایک کوتاہ قامت، ضعیف الجثہ۔ حضرت شموئیل نے ایشا کے بیٹوں کو طلب کیا۔ ایشا نے طاقتور بیٹوں کو پیش کردیا اور کمزور بیٹے کو عار کی وجہ سے پیش نہ کیا۔ حضرت شموئیل نے فرمایا ان میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے بارھویں بیٹے کو لاؤ۔ چنانچہ ایشا نے داؤد کو پیش کیا۔ حضرت شموئیل نے کہا ہاں یہی شخص قتل کرے گا۔ پھر اپنے ہاتھ سے حضرت داؤد کو زرہ پہنائی اور جنگ کے لئے بھیج دیا۔ حضرت داؤد نے چلتے میں چند پتھر اٹھا کر اپنے توبرہ میں رکھ لئے اور گوپھن لئے چل دیئے۔ جب جالوت کی فوج کے مقابل طالوت کی فوج نے صف بندی کی اور جالوت میدان میں نکل آیا اور اپنا حریف طلب کیا تو حضرت داؤد اس سے لڑنے چلے۔ پتھروں کی جھولی گلے میں ڈالی اور گوپھن ہاتھ میں لی۔ امداد الٰہی کے بھروسہ پر نہایت جرأت وہمت سے چل دیئے اور جالوت کے مقابلہ پر جاکر کھڑے ہوگئے اور ایک پتھر گوپھن میں رکھ کر ایسا کھینچ کر مارا کہ جالوت کے خود پر پڑا اور وہ دماغ کو پاش پاش کرتا ہوا نکل گیا۔ فوج میں ایسی کچھ دہشت متفرق ہوگئے اور جالوت کے علاوہ تقریباً پچیس ہزار اس سے مقتول ہوئے۔ طالوت کی فوج کو فتح ہوگئی اور بالآخر چالیس سال سلطنت کرنے کے بعد طالوت کا انتقال ہوگیا اور حضرت داؤد بادشاہ بنائے گئے اور یہی سب سے پہلے شخص ہیں کہ بنی اسرائیل کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ اب ہم اصل آیات

toobaafoundation.com

کی تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اے نبی کیا آپ کو اُس اسرائیلی جماعت کے قصے کا علم نہیں جو موسیٰؑ کے بعد ہوئی تھی۔ کیا اس جماعت کا قصہ کچھ کم تعجب انگیز ہے اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ انھوں نے اپنے نبی یعنی شموئیل سے کہا تھا کہ اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کے زیر قیادت راہِ خدا میں دشمنوں سے جنگ کریں اور وہ ہمارا ملکی سیاسی اور جنگی انتظام کرے۔ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا نبی نے فرمایا تمہاری حالت کو دیکھ کر تو یہ امید ہوتی ہے کہ اگر بادشاہ مقرر کر دیا گیا اور تم پر جہاد فرض ہو گیا تو راہِ خدا میں قتال نہیں کرو گے اور بزدلی کر کے بیٹھ رہو گے۔ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قوم کہنے لگی یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم جہاد نہیں کریں گے آخر ہمارے جہاد نہ کرنے اور بیٹھ رہنے کا کیا سبب ہے اور کیا وجہ کہ ہم راہِ خدا میں قتال نہ کریں وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا حالانکہ دشمنوں نے ہم کو ہمارے وطن سے نکالا۔ ہمارے بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے اور اولاد سے ہم کو جدا کیا۔ ہم خود دشمنوں پر دانت پیسے بیٹھے ہیں۔ یعنی علاوہ حکم خدا کی تعمیل کے ہمارے جذباتِ انتقام بھی جہاد پر ہم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جذبات کی وجہ سے ہم دشمنوں سے لڑنے پر مجبور ہیں۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ بالآخر اُن کا بادشاہ (طالوت) کو مقرر کر دیا گیا اور جہاد کا وجوبی حکم ان کو دے دیا گیا۔ لیکن حکمِ جہاد کے بعد سوا بعض کے اکثر لوگ اپنے عہد و میثاق سے انحراف کر گئے (طالوت کے ساتھ سے رہ گئے یہ قصہ آئندہ آیات میں آتا ہے) اپنے بیان سے پھر گئے۔ جہاد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ اور خدا تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ضرور اُن کو سزا دے گا۔

مقصودِ بیان

ملکی انتظام، سیاستِ عامہ، دشمنوں کی مدافعت، مفسدوں کی بیخ کنی اور امنِ عام کی حفاظت کے لیے بادشاہ کا ہونا ضروری ہے۔ بادشاہ کا انتخاب، قابلیت اور جواہر حکومت کے لحاظ سے ہونا چاہئے، وطن اور اہل و عیال سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے۔ اعدائے وطن اور دشمنانِ اولاد کی مدافعت کے لئے آدمی کے جذباتِ انتقام برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ انسان کی دماغی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی۔ ایک وقت غیر معمولی جرأت یا فطری سہل انگاری کی وجہ سے ایک چیز کو آسان جانتا ہے اور اسی کا طالب ہوتا ہے لیکن جب وہ چیز آپڑتی ہے تو ڈر کر اُس سے بھاگتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ

اُن کے نبی نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے کہنے لگے اس کی ہم پر کیسے

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

سلطنت ہو سکتی ہے ہم اُس کی حکومت کے زیادہ قابل ہیں اُس کو تو کچھ مالی وسعت بھی میسر نہیں

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ

نبی نے کہا خدا تعالیٰ نے اس کو تم پر فوقیت عطا کی ہے اور عقل و جسم میں اُس کو زیادتی مرحمت کی ہے اور اللہ اپنا ملک

مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا وسیع الرحمت اور دانا ہے

تفسیر

جب بنی اسرائیل نے بادشاہ کے تقرر کی اصرار کے ساتھ درخواست کی اور جہاد کرنے کی خود رغبت ظاہر کی تو حضرت شموئیل یا شمعون نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے تم اس کی بیعت کر لو۔ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

toobaafoundation.com

کہنے لگے اس کی ہم پر حکومت و بادشاہت کیسے ہوسکتی ہے وہ خاندانِ نبوت کے ذریات سے نہیں۔ اسباطِ سلطنت سے نہیں۔ ذلیل قوم کا آدمی ہے۔ موچی ہے یا چھلا یا سقا ہم سلطنت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ اور اس کو وسعتِ مال اور دولتمندی بھی حاصل ہے کہ مال ترت اس کی حکرانی میں مددگار بن سکے اور مال خرچ کرکے وہ انتظامِ ملک و سیاست کرسکے۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ نبی نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو تم پر برتری اور شرافت عطا کی ہے۔ بادشاہ بننے کا وہی لائق ہے کیونکہ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ اس کو قوتِ جسمانی اور وسعتِ علم حاصل ہے۔ قوی ہیکل اور شاندار آدمی ہے۔ فنونِ حرب میں تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں۔ خدا کے انعام پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ خدا تعالیٰ کا علم کامل اور فضل وسیع ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ ہر شخص کی لیاقت و استحقاق کا اُس کو علم ہے اور اس کے انعام کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ جو مستحق ہوتا ہے اس کو انعامِ الٰہی پہنچتا ہے شرافتِ نسبی، پیشہ کی بزرگی اور نسلی امتیاز کو فضلِ الٰہی کے استحقاق میں دخل نہیں ہے۔

مقصودِ بیان

انسان اپنی مادّی سرشت کے اعتبار سے دوسروں پر بزرگی اور تفوق کا خواہاں ہوتا ہے۔ اگر اکتسابی فضیلت اور حاصل کردہ علوم و فنون سے بہرہ ور ہو تو پھر شرافتِ نسبی ہی کو اپنی فضیلت و تفوق کا سبب قرار دیتا ہے۔ جسمانی تندرستی، بطانت اور روحانی آراستگی یعنی وسعتِ علم خدا کے تمام انعامات کے سرتاج ہیں اور انہی کے تفاوت سے انسانوں کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے۔ امتیازِ نسلی، پیشہ کی بزرگی اور دولتمندی کو فضیلتِ انسانی میں دخل نہیں ہے۔

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ

اور اُن کے نبی نے اُن سے کہا اُس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں اللہ کی جانب سے تسکین

رَّبِّكُمۡ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ

اور نسلِ موسیٰ و ہارون کے بقیہ تبرکات ہوں گے اور اس کو فرشتے اُٹھا لائیں گے

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ ع ۱۶

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے

تفسیر

بالآخر جب بنی اسرائیل نے طالوت کی حکومت تسلیم کرلی اور طالوت کی لیاقت کا کوئی امتیازی ثبوت طلب کیا تو پیغمبر نے فرمایا کہ اِنَّ اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ اس کی حکومت و سلطنت کا ثبوت اور لیاقت و استعداد کی علامت یہ ہے کہ تابوت تمہارے پاس آجائے گا یعنی وہ صندوق تم کو مل جائے گا جو جالوت تم سے چھین کر لے گیا ہے فِيۡهِ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ جس کے اندر وہ چیزیں ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر کا ذریعہ بنایا ہے اور جس کو سامنے رکھ کر تم دشمنوں سے لڑتے تھے تو تم کو گھبراہٹ نہ ہوتی تھی۔ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰى وَاٰلُ هٰرُوۡنَ اور جس کے اندر موسیٰ اور ہارون کے تبرکات موجود ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی، حضرت ہارونؑ کا عمامہ یا جبہ، توریت کا نسخہ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اب تم اگر یہ خیال نہ کرو کہ طالوت اس کو بغیر جنگ کے کیسے لے کر آئے گا تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ فرشتے خود اُٹھا کر لاتے ہوں گے اور طالوت کے حوالے کردیں گے۔ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ اس تابوت کے مل جانے میں تمہارے لئے طالوت کی سلطنت برحق ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے جس صندوق کو تم اس قدر کثیر جماعت ہونے کے باوجود حاصل نہ کرسکے وہ تنہا طالوت لے آئے گا۔ اب تم کو یقین رکھنا چاہیے کہ طالوت کو خدا ہی نے بادشاہ مقرر کیا ہے جب ہی اس کے لئے ایسے اسباب مہیا کردے گا۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان بزرگوں کے تبرکات بھی بہت باوقعت اور قابلِ عظمت چیزیں ہیں۔ اُن کو عظمت و تقدس کی نظر سے دیکھنا جائز ہے۔ کسی خاص علامت اور عاجز کُن فعل کا اظہار انسان کی فضیلت و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ مقابلہ کے وقت آگے بڑھنے سے ہی آدمی کا جوہر کمال ظاہر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے اسباب بھی ویسے ہی فراہم کر دیتا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ

غرض جب طالوت فوجیں لے کر چل دیا تو اس نے کہا کہ (لوگو) اللہ تمہاری آزمائش کرے گا ایک نہر کے ذریعہ سے جو شخص اس کے پانی

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً

کو پیئے گا وہ میرے گروہ میں سے نہ ہوگا اور جو اس کو نہ پیئے گا وہ میرے گروہ میں سے ہوگا ہاں جو اپنے ہاتھ کا چلو بھر پی لے گا (تو کوئی حرج نہیں)

بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

غرض چند لوگوں کے علاوہ سب نے پانی پی لیا پھر جب طالوت مومنوں کو ہمراہ لے کر نہر سے آگے

مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم

بڑھا تو کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں لیکن جن لوگوں کو یقین تھا کہ خدا کو منہ دکھانا ہے

مُّلَاقُو اللّٰهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ

انھوں نے کہا کہ بسا اوقات چھوٹا گروہ خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آ گیا ہے۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اور اللہ صبر کرنے والوں کا حامی ہے

تفسیر فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ: آخر طالوت کو سبھوں نے بادشاہ مان لیا۔ طالوت اس صندوق کو بھی لے آیا اور دشمن کے مقابلہ کے لئے فوج بھی جمع کر لی اور سب بخوشی اس کے ساتھ چلنے کو بھی تیار ہو گئے اور طالوت سب کو اپنی زیر کمان لے کر چل بھی دیا۔ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ تو طالوت نے کہا کہ آگے دریائے شاروق آئے گا۔ تم کو پیاس کی شدت ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ تمہارے صبر و استقلال اور تحمل مصائب کی آزمائش کرنی چاہتا ہے تم وہاں پانی نہ پینا فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي کیونکہ جو شخص اس دریا کا پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔ میرے ہمراہیوں سے خارج سمجھا جائے گا وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي اور جو شخص وہاں کا پانی بالکل نہ چکھے گا وہ ضرور میرا ہے اور میرا ساتھی ہونے کا مستحق ہے۔ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ہاں وہ بھی میرا ہمراہی ہے جو اپنے ہاتھ سے صرف ایک چلو پانی لے کر پی لے زیادہ نہ پئے۔ لیکن اکثر لوگوں نے طالوت کے حکم کی خلاف ورزی کی اور فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا سوائے بعض کے سب نے خوب سیر ہو کر پیا فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نتیجہ یہ ہوا کہ طالوت جب اپنے ہمراہیوں کو اور ان لوگوں کو جنھوں نے دشمن سے لڑنے کا قول و قرار کیا تھا لے کر دریا کے پار پہنچا تو قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ اکثر لوگ کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت کے اور اُس کی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ ہم تو آگے نہیں بڑھ سکتے لیکن قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

toobaafoundation.com

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ جن لوگوں کا یقین کامل خدا پر تھا اور ان کا دل سے ایمان تھا کہ ہم کو مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے۔ یعنی جن لوگوں نے طالوت کے حکم کی اطاعت کی تھی انھوں نے کہا کہ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت مقابلہ کے وقت بحکم الٰہی بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے لہٰذا ہم کو بھی یقین ہے کہ ہم دشمن پر غالب آئیں گے اگرچہ ہماری جماعت صرف تین سو دس آدمیوں کی ہے ہم کو ان بزدل عہد شکنوں کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو ان کو چھوڑ دو۔

مقصود بیان ہوائے ہوس کو بالکل ترک کر دینے والے خدا کے خالص بندے ہیں اور اگر دنیوی آلائش میں کسی قدر آلودہ بھی ہو جائیں تب بھی غنیمت ہے۔ نجات کی امید اور منزل مقصود پر پہنچنے کا خیال ہو سکتا ہے۔ لیکن جو لوگ ہوائے ہوس اور دنیوی لذت میں غرق ہیں۔ احکم الحاکمین کی طرف سے ان کے دلوں پر قفل لگے ہیں وہ کبھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اور کبھی ان کو نجات نہیں مل سکتی۔ صبر و استقامت اور تحمل مصائب انسان کے ایمان کی کسوٹی ہے۔ وغیرہ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا

اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلے تو دعا کی پروردگار ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے قدم جمائے رکھ

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ قف وَقَتَلَ دَاوٗدُ

اور ہم کو کافروں پر فتح عنایت کر بالآخر انھوں نے کافروں کو بحکم خدا شکست دیدی اور داؤد نے جالوت کو

جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ

قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو حکومت اور نبوت عطا کی اور جو چاہا اُن کو سکھا دیا۔

تفسیر بالآخر بزدلوں کو چھوڑ کر یہ صادق الیقین جاں فروش جماعت آگے بڑھ گئی اور جالوت کے مقابلہ پر پہنچ گئی۔ جب جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ میں جا کر میدان میں یہ لوگ کھڑے ہوئے اور صف بندی ہو گئی تو اس وقت ان مومنوں نے خدا سے صبر و استقامت اور فتح و نصرت کی دعا کی اور قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا کہنے لگے الٰہی ہم پر اپنی صبر کی بارش کر وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور ہمارے قدم کافروں کے مقابلہ میں جمادے یعنی ہمارے دلوں میں جرأت پیدا کر دے کہ ہم کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں راہ فرار اختیار نہ کریں وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ اور ہم کو جالوت اور اس کی فوج کے مقابلہ میں ظفریاب کر دے۔ اس استقامت، صبر، جاں نثاری اور صدق یقین کا نتیجہ کیا ہوا کہ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ان مومنوں نے جالوت کی فوج کو مار بھگایا اور حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ اور خدا نے حضرت شمویئل اور طالوت کی وفات کے بعد حکومت اور نبوت دونوں حضرت داؤد کو عطا فرما دیں۔ حالانکہ حضرت داؤد سے قبل ایک شخص کو مجموعی طور پر دونوں نعمتوں سے خدا تعالیٰ نے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ کے بعد کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی شخص نبی بھی ہو اور بادشاہ بھی وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور مذکورہ انعام کے علاوہ حضرت داؤد کو خدا تعالیٰ نے اپنی مشیئت کے موافق کچھ علوم اور بھی خصوصیت کے ساتھ عطا فرمائے۔ مثلاً زرہ بنانا، پرندوں کی بولی سمجھنا، توریت کو لحن سے پڑھنا۔

مقصود بیان صبر و استقامت کی تعلیم، راہِ خدا میں جان فروشی اور ایثار کرنے کی تلقین۔ خدا پر بھروسہ کرنے اور مصائب میں اسی سے امداد کی التجا کرنے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ فتح و ظفر خدا کے دستِ قدرت میں ہے۔ مادی طاقت کی کمی و بیشی پر شکست و فتح موقوف نہیں۔ جذبات ایثار اور جرأت و ہمت انسان کا فرض ہے ۵

toobaafoundation.com

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے امیر مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

جو شخص خدا پر بھروسہ کرکے اس کی راہ میں ایثارِ نفس اور قربانی کرتا ہے خدا بھی اس کی مدد کرتا ہے اور اپنے انعامات سے اس کو سرفراز فرماتا ہے دنیوی حکومت اور دشمنوں پر کامیابی بھی خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دنیوی فنون و علوم بھی خداداد انعام ہے۔ وغیرہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ

اور اگر اللہ بعض لوگوں سے بعض کو دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے مگر اللہ

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے یہ اللہ کی قدرت کی سچی نشانیاں ہیں کہ ہم تمہیں پڑھ کر

بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

سُناتے ہیں اور بیشک تم ضرور پیغمبروں میں سے ہو

تفسیر اس آیت میں جہاد کا فائدہ اور حکمت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ کسی کو یہ شبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ جہاد سے عالم میں خونریزی اور فساد ہوتا ہے اور انسان کے محترم خون کا بہانا اور زمین پر فساد کرنا کونسا مصلحت آمیز فعل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو پست نہ کرتا تو ملک کا انتظام بگڑ جاتا۔ انتظامِ عالم ہی اس پر وابستہ ہے کہ آج ایک قوم غالب اور برسرِ حکومت ہے تو کل دوسری قوم۔ جو لوگ خدا کے سچے فرمانبردار اور عدالتِ الٰہی کو اس کے بندوں پر قائم کرنے والے ہیں، قانونِ انصاف پر عمل کرنے والے ہیں وہ حاکم ہوتے ہیں۔ پھر جب یہ عدل پرستی اور انصاف شعاری چھوڑ دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ اپنی زمین کی حکومت کے لئے دوسری قوم کو منتخب فرما لیتا ہے اور اسی طرح نظامِ عالم قائم ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ اس نظم میں خرابی پیدا ہو کیونکہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر ہمیشہ مہربانی کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ امنِ عامہ میں فساد پیدا ہو جائے۔ جب کوئی قوم سرکشی طغیان اور ظلم و ستم کرنے لگتی ہے تو خدا تعالیٰ امنِ عام اور نظمِ عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری عادل قوم کو اس کا جانشین بنا دیتا ہے اور یونہی اس عالم کا انتظام درست رکھتا ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی طالوت و جالوت کا قصہ گنہگاروں اور ظالموں کی تباہی نیکوکاروں اور ایماندار منصفوں کی فتح یہ خدا کی طرف سے آیات ہیں۔ اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیا کریں۔ لہٰذا یہ اعتراض لغو ہے کہ انبیاء کا کام لڑائی نہیں بلکہ اصلاحِ اخلاق و درستگی اعمال ہے۔ کیونکہ انبیاء کا کام یہ ہے کہ وہ قوانین دنیا والوں کے واسطے جاری کریں جن سے امنِ عام ہو اور مفسدوں کی شرارت کی بیخ کنی ہو۔ خدا کی زمین پر فساد نہ ہو، کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور آپ بھی نبی ہیں لہٰذا آپ کا فرض بھی یہی ہے کہ قانونِ عدل کا اجراء کریں اور اس کا اجراء بغیر جہاد کے ہو نہیں سکتا اس لئے اشاعتِ اسلام کے لئے جہاد ایک ضروری چیز ہے۔

مقصود بیان اعلانِ توحید کے لئے جہاد کی ضرورت اور اشاعتِ اسلام کے لئے مدافعتِ اعداء کی اہمیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرسل ہونا اور مرسلین کے طریقہ پر چلنے کی صراحت، گزشتہ انبیاء کے جہاد کرنے کی تصریح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اسی سنتِ فطریہ پر چلنے کی طرف اشارہ۔

toobaafoundation.com